

تکمیل الایمان

تصنیف لطیف

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حواشی :-

ایلیحضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نور اللہ مرشد

ترتیب و ترجمہ

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب

مکتبہ نبویہ لاہور

4073



تکلیلُ الْإِيمَانِ

تصنیف و تالیف :

رئیس المشائخ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تعلیقات و حواشی :

امام اہلسنت و اعلیٰ مراتب مولانا احمد رضا خان صاحب دہلوی سید العزیز

ترتیب و ترجمہ :

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی - ایم - اے

————— (ناشر) —————

مکتبہ نبویہ ماہی گنج بخش روڈ لاہور

87350

~~87350~~

- نام کتاب : تکمیل الایمان
- مصنف : شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- حواشی : اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی
- مرتب : پیرزادہ اقبال احمد فاروقی ایم۔ اے
- دیباچہ : ابوالبیان مولانا غلام علی صاحب اوکاڑوی مدظلہ
- کتابت آفسٹ : محمد یوسف کاتب کیدانی
- طباعت : ایورگرین پریس لاہور
- تعداد : ایک ہزار ۱۰۰
- تاریخ اشاعت : جنوری ۱۹۷۰ء
- قیمت خاص ایڈیشن : ساڑھے چار روپے ۴/۵۰
- قیمت عام ایڈیشن : تین روپے ۳/۰۰
- قیمت انحصار الخاص ایڈیشن : سات روپے ۷/۰۰

موضوعات و مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۶	عالم جمیع معلومات -	۸	حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ -
۲۷	حاکم بلا شرکت غیر سے -	۹	مقاصد - اعتقادی خدمات -
۲۸	حسن و قبح کیا ہے ؟	۱۸	اشیاء کی حقیقتیں -
۲۸	ملائکہ	"	عالم عارضی ہے -
۲۹ - ۳۱	فرشتوں کی پیدائش پر اعلیٰ حضرت بریلوی کے حواشی -	۱۹	عالم فانی ہے -
۳۲	جبرائیل علیہ السلام -	"	عالم کا خالق ہے -
۳۷	میکائیل علیہ السلام -	"	وہ قدیم ہے -
۳۹	اسرافیل علیہ السلام -	۲۰	وہ واحد ہے -
۴۲	عزرائیل علیہ السلام -		(وسیع) (حادث)
"	فرشتوں کے مقامات -	۲۱	قیامت کے دن دیدار خداوندی -
"	اللہ کے اطاعت گزار -	۲۲	فرشتوں کو دیدار الہی -
"	الہامی کتابیں -	۲۲	قیامت کو دیدار الہی -
۴۳	شہر آن پاک -	۲۲	عمرتوں کو دیدار الہی -
۴۴	متقین کی ہدایت -	۲۳	خواب میں دیدار الہی -
		۲۶	خالق جمیع اشیاء -

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۵ - ۷۸	فاضل بریلوی کے حواشی -	۴۳	اسمائے الٰہی -
۸۷	مقامات شفاعت -	۴۴	تلاوت کے نام
۸۹	اعراف -	۴۵	افعال اختیاری
۹۰	قیامت کے متعلقات	۴۲ - ۴۶	مسئلہ جبر و قدر پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے حواشی -
۹۱	ایمان بالقلب و تصدیق بالایمان -		
۹۲	یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی جانتے تھے -	۵۲	مسئلہ جبر و قدر اور علمائے اہل سنت
۹۳	ایمان اور اسلام -	۶۳	بندوں کے افعال -
۹۴	اقرار ایمان بہ لفظ ان شاء اللہ -	۶۳	قضا و قدر پر ایمان -
"	ایمان بالجبر -	۶۴	ہدایت و گمراہی اور مشیت ایزدی -
۹۵	ایمان و توبہ باس -	۶۴	ہدایت کے معنی -
۹۷	فرعون کا ایمان -	۶۵	عذاب قبر -
۹۸	حضرت آسیہ -	۶۶	اطفال مومنین سے سوال -
"	فرعون اور ابوجہل -	۶۷	اطفال مشرکین سے سوال -
۹۹	ابن عربی اور فرعون کا ایمان -	۶۸	موت کے بعد زندگی -
۱۰۱	شیخ ابن حجر مکی کی رائے -	۶۹	قیامت کیا ہے؟
۱۰۳	گناہ کبیرہ سے ایمان ساقط نہیں ہوتا -	۶۹	میزان عدل -
۱۰۳	گناہ کبیرہ و گناہ صغیرہ -	۷۲	اعمال نامے -
۱۰۴	خارجی اور معتزلہ کا استدلال -	۷۳	سوالات استفسارات -
۱۰۴	گناہ کے اثرات -	۷۵	حوض کوثر -
"	اہل کبائر و ذخی ہیں -	۷۶	پل صراط -
۱۰۷	مشرک ابدی و ذخی ہیں -	۷۷	شفاعت رسول خدا -
			مسئلہ شفاعت پر اعلیٰ حضرت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۳۷	تمام مخلوقات کے نبی -	۱۰۷	عذاب و مغفرت -
۱۳۸	معراج بیداری کے عالم میں -	۱۰۸	گناہ صغیرہ پر سزائیں -
۱۳۸	حاشیہ علیٰ حضرت بریلویؒ بر تفصیل معراج -	۱۰۹	اللہ کے رسول -
۱۴۵	سیدنا صدیق اکبرؓ کا ایمان -	۱۱۰	معجزات انبیاء و تائید الہی -
۱۴۸	امت محمدیہ کی فضیلت -	۱۱۱	معجزہ کیا ہے -
۱۴۹	شریعت محمدیہ اعلیٰ ترین شریعت	"	اول الانبیاء و خاتم الانبیاء -
۱۵۰	صحابہ کرامؓ کی فضیلت -	۱۱۲	انبیاء کی تعداد -
۱۵۱	صحابہ کرامؓ کی افضلیت -	"	ذوالقرنین کی نبوت -
۱۵۲	خلفائے اربعہ -	۱۱۳	حضرت لقمان کی نبوت -
۱۵۳	خلفائے اربعہ کی فضیلت -	۱۱۴	حضرت خضر علیہ السلام -
۱۵۵	حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علیؓ	۱۱۵	عورتوں کی نبوت -
۱۶۲	حضرت صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ	"	عصمت انبیاء -
۱۶۵	حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ	۱۱۶	انبیاء کی لغزشیں -
۱۶۶	علمائے کرام کی رائیں -	"	انبیاء کی ابدی زندگی -
۱۶۸	حضرت علیؓ کا تقیہ ؟	"	شریعت و نبوت
۱۶۹	عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم -	۱۱۷	قبول سے استعانت -
۱۷۱	اہل بدر -	۱۱۸	علیؓ حضرت کا حاشیہ -
۱۷۲	اہل اُحد -	۱۲۴	ولایت کے معانی -
۱۷۲	اہل بیعت رضوان -	۱۳۰	چار اولیاء قبروں میں زندہ ہیں -
۱۷۳	حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا -	۱۳۴	افضل الانبیاء -
"	حضرت فاطمہ اور اہل بیت -	"	شہدائے کرام کا ایک معجزہ -
۱۷۵	خلافت -	۱۳۵	شہدائے کرام کا اعجاز -

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۸۷-۱۹۳	حاشیہ -	۱۷۶	مسک اہل سنت و جماعت -
۱۹۲	قبولیت دعاء -	۱۷۷	حضرت معاویہ کا انجام -
۱۹۳	قبولیت دعاء کی شرط -	۱۷۸	یزید کا حشر -
۱۹۵	فاسق کی قیادت -	۱۸۰	مجتہد کا مقام -
"	موزوں پر مسح -	۱۸۰	اہل قبلہ کی تکفیر -
"	سنیوں کی تین علامتیں -	۱۸۱	رسول ملائکہ سے افضل ہیں -
۱۹۶	گناہ پر فخر -	۱۸۲	اولیاء کا مقام -
"	شریعت سے تمسخر -	۱۸۲	مقامات انبیاء و اولیاء -
"	مذاقاً اقرار کرنا -	۱۸۵	مقام عبودیت -
"	نشہ میں کلمات کفر -	"	آیات و حدیث کی حجیت -
۱۹۷	کاہن اور نجومی کی حیثیت -	۱۸۷	زندوں کی دعا سے مردوں کو فائدہ -
"	امیدوار رحمت الہی -	"	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی رائے -

خاتمہ کتاب ۱۹۸

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مقاصد — اعتقادی خدمات اور — اثرات

شحات خامہ ابوالیمان مولینا غلام علی صاحب اوکاڑوی مدظلہ

دسویں صدی ہجری کی مختلف مذہبی تحریکوں کے افکار و نظریات کا تجزیہ کیا جائے، تو یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس دور کا سب سے اہم مسئلہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مقام اور حیثیت متعین کرنا تھا۔ حضرت شیخ محدث رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تصور امام، عقیدہ مہدویت، نظریہ الفی اور دین الہی کی نظریاتی تحریکیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص مقام و مرتبہ پر کسی نہ کسی طرح بڑے اثرات مرتب کر رہی تھیں۔ ان حالات میں شیخ محدث دہلوی نے نظریاتی نکھار کے لیے جو کام کیا، وہ آپ کی بے شمار علمی اور روحانی خدمات میں سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے فخر دور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اور ارفع مقام کی پوری طرح توضیح فرمائی۔ اور عظمت مصطفیٰ کے خلاف ہر آواز پر شدید تنقید کی۔ یہ حضرت شیخ کا احسانِ عظیم ہے کہ ہمارے دور پر فتن میں بھی جب کہ ہر طرف سے لمہدین اور دوسرے بد عقیدہ شان رسالت کی تنقیص میں ناپاک کوششیں کر رہے ہیں شیخ کے فرمودات و نگارشات دنیا سے اسلام کے جو یاٹے حق لوگوں کو مشعل راہ کا کام دے رہی ہیں۔

حضرت شیخ کی زیر نظر تالیف ”تکمیل الایمان“ اسی سلسلہ میں علم عقائد مذہبی کی ایک معتد اور مستند مگر مختصر کتاب ہے۔ ہم نہایت اختصار کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کریں گے جس سے یہ ذہن نشین ہو جائے گا کہ اس اہم کتاب کے مطالعہ کی افادیت کے وہ کون سے پہلو ہیں جو قاری کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔ نیز شیخ کن نظریات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اعتقادی طور پر عصر حاضر کا اہم مسئلہ مقام رسالت اور عظمت مصطفیٰ کا تعین ہے شیخ نے اس مسئلہ کو جس بصیرت اور علمی کمال سے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس سے شیخ کے عقائد و نظریات واضح ہوتے ہیں۔ یہ مقصد صرف تکمیل الایمان سے ہی نہیں بلکہ آپ کی دوسری تصانیف سے بھی پورا ہوتا ہے۔

دیباچہ اخبار الاخبار میں یوں رقمطراز ہیں:

”ہمچنانکہ شکر و سپاس خالق موجودات از حیثہ امکان و احاطہ انسان بیرون است۔ مدح و ثنائے سید کائنات از مجال شرح و بیان افزودن و ہرچہ بر مرتبہ احدیت متعین است بحقیقت محمدیہ آن امر معین است۔ و آنچه جز مرتبہ ذات احدیہم صفات احمد آنرا بیش و ہرچہ از انوار علوی و سفلی ظاہر است ہمہ از پر تو نور آن اجل مظاہر است۔“

حق را بچشم اگر چه ندیدند لیکنش
از دیدن جمال محمد شناختند

پھر اس کے بعد بارگاہ رسالت میں اپنی عقیدت کے موتی یوں منظوم فرماتے ہیں:

”خیر الوری۔ امام رسل۔ مظہر اتم
او از خدا و ہرچہ جز او منتہی ازو
او جانِ جملہ عالم و حق جانِ جان شمار
حق را بغیر واسطہ ذات او محو“

پھر اسی دیباچہ میں مقام رسالت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”و در اول باعث خلقت عالم ست و در آخر واسطہ ہدایت بنی آدم۔ در باطن مرتبہ ارواح و در ظاہر متمم اشباح۔ کاسرار کان ادیان و دول ناسخ احکام ملل و نخل۔ قصر خاتم وجود نصر معرفت و شہود مقصود و متکفان مقصورہ افلاک، مقصد سالکان معمورہ خاک، متمم مکارم اخلاق، مکمل کمالین آفاق۔ حاجز منزہین وجود و عدم برزخ بحرین حدود و قریم۔ جامع نسخہ امکان و وجوب، رابطہ طالب و مطلوب۔ عزیز مصر صمدیت، ملک مملکت احدیت، مظہر حقیقت فردانیت، مظہر صورت رحمانیت۔ تیر مکتوم غیب لاہوت، طلسم معلوم کنج جبروت۔ مبروح

ارواح ملکوتیہ، مزین اشباح تا سوتیہ، ہدایت خط ولایت، نہایت دائرہ نبوت،
منظر اتم، رحمت اعم، عقل اول، ترجمان ازل، نور الافوار، سراسر ارہادی سل،
سید رسل، نور اللہی، ستر الہی، حبیب اعلیٰ، صفیٰ اصفیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم

سید رسل، شفیع اُمم، خواجہ دو کون نور ہدیٰ حبیب خدا سید انام
مقصود ذات اوست دگر ہا ہمہ طفیل منظور نور اوست دگر جلگی ظلام!
ہر ربیبہ کہ بود در امکان بر دست ختم ہر نعمتے کہ داشت خدا شد برو تمام

مدارج النبوت شریف جلد اول کے دیباچہ میں یوں فرماتے ہیں:

”هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔“

اعجاز سمات ہمہ مشتمل بر حمد و ثنائے الہی است۔ تعالیٰ و تقدس کہ در کتاب مجید
خطبہ کبریائی خود بجاں خواندہ۔ وہم متضمن نعمت و وصف حضرت رسالت پناہی

صلی اللہ علیہ وسلم کہ و سے سبحانہ اور بجاں تسمیہ و توصیف، نمودہ و چندیں اسمائے حسنیٰ

جل شانہ است کہ در وحی متلو و غیر متلو حبیب خود را بجاں نامیدہ و جلیلہ جمال و

حلی کمال و سے ساختہ۔ اگر چہ آن سلی اللہ علیہ وسلم تمامہ اسماء و صفات الہی

متخلق و متصف است با وجود آن بہ بعضے ازاں بخصوص نامزد و نامور گشتہ است

مثل نور حق، علیم، حکیم، مؤمن، مہین، ولی، ہادی، رؤف، رحیم و جز آں و این

چار اسم اول و آخر، ظاہر و باطن نیز ازاں قبیل است۔“

ان چار اسمائے ظاہر و باطن، اول و آخر کی تشریح فرما کہ تحریر فرماتے ہیں:

وہو بکل شئی علیم و و سے صلی اللہ علیہ وسلم داناست بر ہمہ چیز از شیونات

ذات الہی و احکام صفات حق و اسماء و افعال و آثار و جمیع علوم ظاہر و باطن اول

و آخر احاطہ نمودہ و مصداق و فوق کل ذی علم علیم شدہ۔ علیہ من الصلوٰۃ و

افضلہا و من التمجیات انہا و اکملہا۔“

شیخ کے ہاں حقیقت محمدیہ عالم کے ذرے ذرے میں موجود ہے۔ مدارج النبوت جلد اول کے صفحہ ۱۳۵

میں یوں گویا ہیں:

”در بعضے کلام بعضے عرفا واقف شدہ کہ خطاب از مصلی بملاحظہ شہود روح مقدس
آنحضرت و سر بیان و سے در ذرارے موجودات مخصوص در ارواح مصعبین سنت و بالجملہ
دریں حالت از شہود و وجود و حضور از آنحضرت غافل و ذایل نباید بود، باید و رود
فیوض از روح پر فتوح و سے صلی اللہ علیہ وسلم“

اشعة اللغات جلد اول صفحہ ۴۵ ملاحظہ ہو:

”پس آنحضرت در ذات مصعبیاں موجود و حاضر است پس مصلی (نمازی و درود خواں)
را باید کہ ازین معنی آگاہ باشد“

وسعت اختیارات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خیالات ملاحظہ فرمائیں:

”وازا بجملة آنست کہ آنحضرت تخصیص می کرد ہر کرا بر چہ می خواست از احکام این جا دو
قول است یکے آنکہ احکام مفوض بود بوسے صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد حکم کند۔ دوم آنکہ
ہر حکمے و حی خدای شد چنانکہ تخصیص کردن خیرہ بن ثابت را بآنکہ شہادت و سے حکم دو
شہادت دارد“

”و سے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلیفہ مطلق و نائب کل جناب اقدس است می کند

ومی دہد ہر چہ خواہد باذن و سے نہ

فان من جودك الدنيا وضرتها

ومن علومك علم اللوح والقلم

جزاها الله عنا خيرا الجزا“

اشعة اللغات ج ۱ ص ۱۳۵ پر مشہور حدیث ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت فرماتے ہیں:

”از اطلاق سوال کہ بفرمود سئل۔ بخواہ۔ و تخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص۔ معلوم می شود

کہ کار ہمد بست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد

باذن پروردگار خود بدہد“

پھر قصیدہ بردہ شریف کا اوپر والا بیت نقل فرماتے ہیں: فان من جودك الدنيا الخ

اگر خیریت دنیا و عقبی آرزو داری بدرگاہش یاد ہرچہ میخوای تمنا کن
 بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما بلطف خود سر و سامان جمع بے سرباکن
 وسعت علوم نبویہ پر قلم اٹھاتے ہوئے شیخ کا انداز بیان ملاحظہ ہو:

شرح مشکوٰۃ شریف فارسی ج ۱ ص ۳۳۳۔ حدیث معراج منامی کی شرح پر حضور علیہ السلام
 کے اس ارشاد گرامی (تعلمت ما فی السموات والارض) کے ماتحت فرماتے ہیں:

”پس دانستم ہرچہ در آسمانہا و ہرچہ در زمین بود بعبارت است از حصول تمامہ علوم
 جزوی و کلی و احاطہ آن“

مدارج جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ پر حضور علیہ السلام کے فضائل بیان کرتے ہوئے رقم پذیر ہیں:
 ”وازا بجلد آنست کہ ہرچہ در دنیا است از زمان آدم تا او ان نفع اولی بروے منکشف
 ساختند تا ہمہ احوال را از اول تا آخر معلوم کرد و یاران خود را نیز از بعضے ازاں احوال
 خبر داد“

حیات انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کے متعلق شیخ کے اعتقادات ملاحظہ ہوں:
 ”باید دانست کہ خلاف در غیر انبیاست صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین کہ ایشان
 اعیاء اند بجات حقیقی دنیاوی با اتفاق و اولیاء بجات اخروی معنوی۔“ شرح مشکوٰۃ،

ج ۱ ص ۱۴۲

پھر مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۴۴ پر فرماتے ہیں:

”بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میاں علماء ملت
 و پوچھ کس را خلاف نیست در ان کہ آن کال تر و قوی تر از وجود حیات شدہ و متقابلین
 فی سبیل اللہ است کہ آن معنوی اخروی است و حیات انبیاء حیات حسی دنیاوی است
 و احادیث و آثار در ان واقع شدہ“

حیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کا حاضر و ناظر ہونا شیخ کے نظریات میں یوں تھا۔
 ”پوشیدہ نماںد کہ بعد از اثبات حیات حقیقی حسی دنیاوی اگر بعد از ان گویند کہ حق تعالی
 جسد شریف را حالتے و قدرتے بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد شریف بخشند

خواہ بعینہ یا بامثال خواہ برآسمان یا بر زمین و خواہ در قبر شریف یا غیر وہے۔ نیز
 صورتے وارد با وجود نسبت خاص بقبر در ہمہ حال۔ (مدارج۔ ج ۲ ص ۲۵۰)
 اور اپنے مکتوب شریف ”سلوک اقرب السبل بالتوجه الی سید الرسل علی ہامش اخبار الاخیار
 صفحہ ۱۶۱ میں لکھتے ہیں:

”باچندین اختلافات و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت ست یک کس ادیں
 مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحقیقت حیات بے ثائبہ
 مجاز و توہم تاویل دائم و باقی ست و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مرطابسان
 حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی ست“

توسل و استمداد پر شیخ کے اعتقاد و نظریہ پر ذیل کی عبارت شاہد عادل ہے:
 ”حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ گفتے ہر کہ استمداد کردہ شود بوسے در حیات، استمداد
 کردہ میشود بوسے بعد از وفات“

پھر اسی مسئلہ کو ذرا تفصیل سے تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ولیت شعری چہ می خواہند ایشان با استمداد و امداد کہ این فرقه منکر اند آنرا آنچه
 می فہمیم ازاں این است کہ داعی محتاج فقیر الی اللہ دعای کند خدا و طلب می کند
 حاجت خود را از جناب عزت و غنائے و سے و توسل می کند برومانیت این بندہ
 مقرب و کرم در درگاہ عزت و سے۔۔۔۔۔ یا ندای کند این بندہ کرم و مقرب را
 کہ اے بندہ خدا اے ولی و سے! شفاعت کنی مرا و بخواہ از خدا کہ بدہد مسئلہ و
 مطلوب مرا و قضا کند حاجت مرا“

”بدانکہ این حدیث صحیح متفق علیہ صریح است در ثبوت سماع مراموات را و حصول
 علم مرایشان را با آنچه خطاب کردہ می شوند“

۱ اشعۃ اللغات، جلد اول، صفحہ ۶۱۵

۲ اشعۃ اللغات، جلد سوم، صفحہ ۴۰۱

۳ اشعۃ اللغات، جلد سوم، صفحہ ۳۹۹

ناز کے بعد ذکر جہر مشروع ہے۔ اور اشعۃ اللمعات ج ۱ کے صفحہ ۴۱۸ میں باب الذکر بعد

الصلوة کے ماتحت فرماتے ہیں:

”بدانکہ جہر بذكر مطلقاً وبعد از نماز مشروع است وارد شدہ ست دروے احادیث

دریں حدیث دلیل ست بر مشروعیت جہر بذكر و آن ثابت ست بے شبہ لیکن ضمنی

افضل ست در غیر آنچه وارد است دروے جہر“

اس ضمن میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک فتویٰ متعلق بذكر جہر کی نقل فارین کے لیے مفید ہوگی:

”دیگر حقیقت ذکر جہر و سخن آن ست کہ انکار آن سفاہت واضح است در تلاوت

قرآن جہر مزجج است۔ ما اذن الله لشيء ما اذن یعنی تعنی بالقرآن بجمہریت۔

و در تلمیہ حج آمدہ افضل الحج الفجر والتج ای رفع الصوت بالتلبیة و

اراقۃ الدم و قرآن را فضیلت معروف است و کنا عرف انقضاء صلوة

رسول الله صلی الله علیہ وسلم بالذکر و فضل الذکر الذی یسمعه الحفظۃ

علی الذی لا یسمعه الحفظۃ بسبعین ضعفاً و بنائے طریقہ چشتیہ و

اویسیہ و قادریہ کہ ہمہ پیران ما اندر ذکر جہر است۔۔۔۔۔ ذکر جہر موجب جمعیتے ست

است کہ بالاترازاں جمعیتے نیست“ (فتاویٰ عزیز یہ - صفحہ ۱۴۰)

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار شریف میں ہندستان

کے اکابر اور مشاہیر صوفیہ کا ذکر اپنے ایک مخصوص اور فاضلانہ انداز میں نہایت ہی زبکین اور شیریں

بیانی کے ساتھ فرمایا ہے۔ مگر سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ سے ان کو جو بے پناہ عقیدت تھی

اس کا اظہار ان تالیفات شریفہ میں عجیب انداز سے فرمایا ہے۔ اخبار الاخیار کے خاتمہ میں اپنے

حالات تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر دیگران طلب اندا و طلب الاقطاب است، و اگر ایشان سلاطین او سلطان

السلاطین۔ محی الدین کہ دین اسلام زندہ گردانید۔ ملت کفر را بمیرانید کہ الشیخ

یحییٰ و سیت۔ زہے مرتبہ کہ ایجاد دین از محی قیوم است و اجباز دے۔

غوث الثقلین آزا گویند کہ جن و انس ہمہ بوسے پناہ جویند من بکیں نیز پناہ با وجہ تہ ام۔

و بردر گاہ اوقادہ۔ مراجز عنایت او کس نیست و بغیر لطف او فریاد رس نے۔

اس کے بعد نظم میں عقیدت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اوست در جملہ اولیا ممتاز چوں پیمبر در انبیا ممتاز

غوث پاک کی مشہور تصنیف فتوح الغیب کا ترجمہ فرمایا ہے۔ مگر شرح میں اپنا الگ مقدمہ

یا نام نہیں لکھا۔ یہ بارگاہِ غوثیت میں کمال ادب تھا۔ فرماتے ہیں:

”ذکر نام این حقیر خود چہ حد و مجال کہ درین مقام تو اں برد“

ان اقتباسات کی روشنی میں ہمیں اس نتیجہ پر پہنچتے ذرا دقت نہیں ہوگی کہ شیخ محدث رحمۃ اللہ

علیہ نے اکبری دورِ الحاد میں مقامِ مسطفی اور عقائد اہل سنت کی صحیح ترجمانی میں کتنا بڑا کام کیا ہے۔

آپ نے احادیث، فقہ، سیر، تصوف، لغت، غرضیکہ تمام علوم میں کتابیں لکھیں، جو مقبول بارگاہ

صمدیت اور منظور بارگاہ رسالت ہونے کے ساتھ ساتھ قبولیتِ خلائق حاصل کرنے میں کامیاب

ہوئیں۔ آپ نے ہر نقطہ نظر سے عقائد کے نکھار اور سنوار کا کام کیا۔ یہ شیخ ہی کی دینی کوششوں کا

ثمرہ ہے کہ مغل اعظم کی بے راہ روی اور الحاد و بے دینی کے علی الرغم پاک و ہند میں اسلام کی بنیادیں

مضبوط رہیں اور اسی مغلیہ خاندان کے چشم و چراغ شاہجہان اور اورنگ زیب کی شکل میں دین

کی خدمت میں وقت ہو گئے۔

زیر نظر کتاب تکمیل الایمان میں شیخ نے نہایت سادہ انداز میں عقائد کی ان موٹی موٹی باتوں

کو بیان کیا ہے جو ایک عام مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ ایسی کتاب کی بہت ضرورت تھی اور موجود

دور میں بیچ عقائد کی جستجو کرنے والے ذہن اسے مفید پائیں گے۔

فارسی شناسی اور ذوقِ فارسی اب قریباً قریباً ختم ہوتا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے

فاضل، نوجوان علامہ اقبال احمد صاحب فاروقی ایم اے نے اس مفید کتاب کو اردو لباس

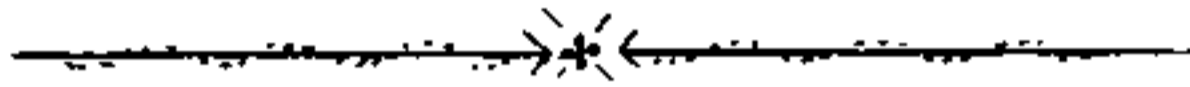
پننا کر عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے لیے مطالعہ کی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ علامہ صاحب اپنی

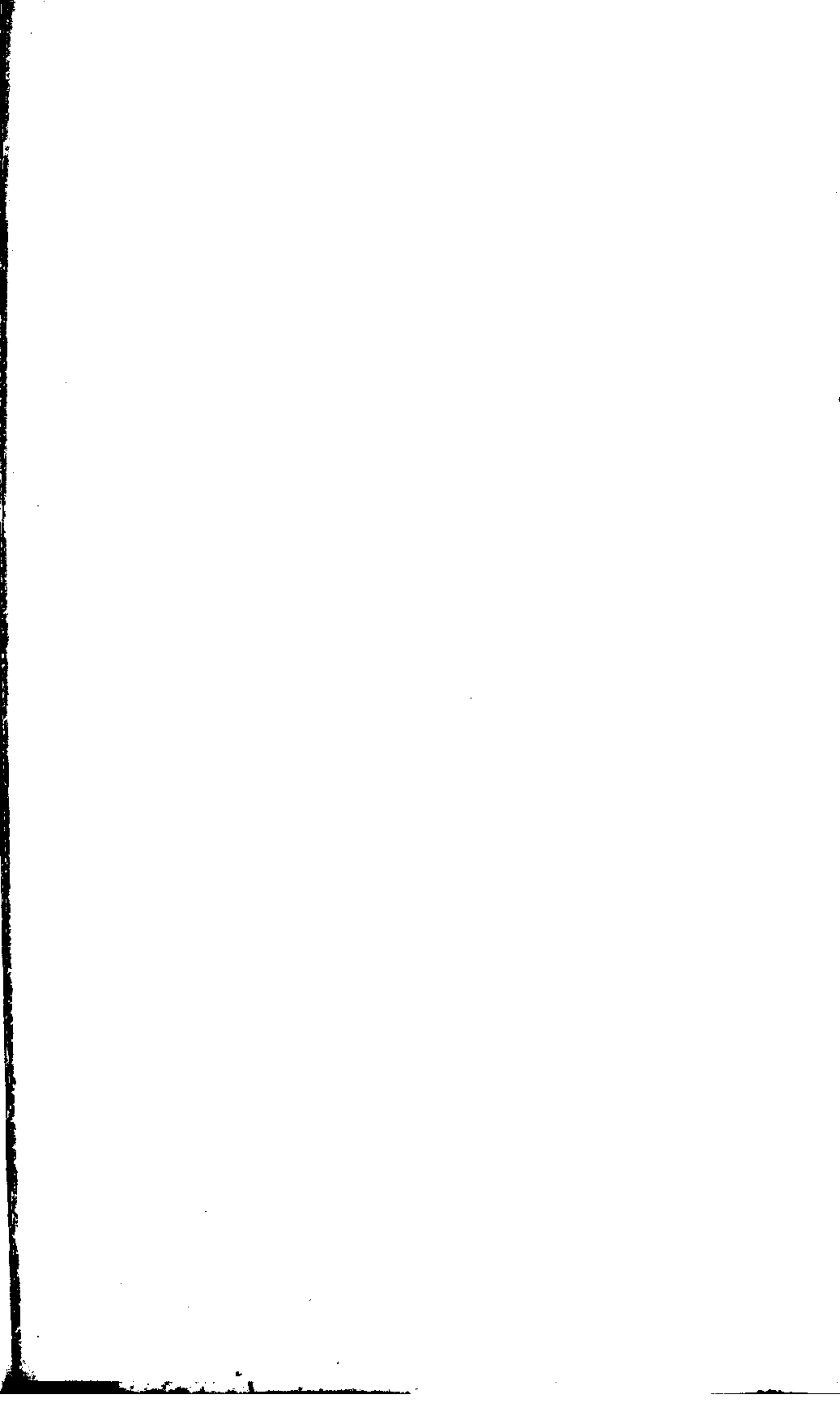
محنت پر اس بات پر مزید مستحق مبارک ہیں کہ انہوں نے شیخ کے خیالات کو مجددانہ حاضریہ

امام اہل سنت علیہم السلام حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی سے جوید

کر کے اہل علم کے لیے دلائل و براہین کا ایک بے پناہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ میری نظر میں اب یہ کتاب صرف عام قاری کے مطالعہ کے لیے ہی نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر حواشی کی وجہ سے علمائے کرام کے مطالعہ کے لیے بھی ضروری اور مفید ہو گئی ہے۔ مرتب کی اس کوشش نے اس کتاب کو پاک و ہند کی دو عظیم مستی اعتقادی شخصیتوں کے خیالات کو یکجا جمع کر کے ایک امتیازی اور انفرادی حیثیت دے دی ہے۔

شیخ نے اکبری دور کی بد اعتقادی اور اس زمانہ کے نظریاتی فتنوں کے خلاف اہل سنت کو محفوظ رکھنے میں جہاد کیا، اعلیٰ حضرت بریلوی نے دور حاضرہ کے طوفانوں کا مقابلہ کیا۔ ان دونوں بزرگوں کے خیالات کا یکجا جمع ہونا ہمارے لیے باعث فخر ہے۔ اندریں حالات مجھے اہل علم سے یہ التماس کرتے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ وہ اس اہم اور مفید ایڈیشن کو اپنے ذاتی کتب خانہ میں رکھیں، مطالعہ کریں اور اجاب کو اس کے مطالعہ کی سفارش کریں۔





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
 سَيِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیْنَ مُحَمَّدٍ
 وَآلِهِ وَاصْحَابِهِمُ وَاَتْبَاعِهِمْ اَجْمَعِیْنَ

فقیر حقیر اضعف العباد اللہ القوی الباری عبد الحق بن سیف الدین الترمذی
 الدہلوی البخاری معروض ہے کہ یہ کتاب مسمیٰ بہ تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان "عقائد
 اسلام اور مسلک اہلسنت و جماعت کے قواعد پر مشتمل ہے۔ یہ بہترین فوائد لطیف
 معانی کا خزانہ ہے۔ کلام کی وضاحت اور مطالب کی تشریح اس انداز سے کی
 گئی ہے۔ جس سے اللہ نے چاہا تو دلوں پر اثر ہوگا اور نظر و قلب نور یقین سے
 منور ہو جائیں گے۔ اسے ہر مومن جس کے دل میں طلب صادق ہے کے لئے لکھا گیا
 ہے۔ میں نے اس میں نہایت اختصار کے ساتھ صحیح مذاہب کو ثابت کرنے کی کوشش
 کی ہے اور صحیح اقوال کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ میں نے مذاہب باطلہ سے کچھ
 تعرض نہیں کیا اور نہ ہی اقوال باطلہ پر بحث کی ہے۔ میں نے انتہائی کوشش
 کی ہے کہ بحث و استدلال اور قبیل و قال کی الجھنوں سے دور رہ کر اظہار مدعا
 کیا جائے۔ میں نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ علم کلام کے دلائل و فلسفیانہ

موشگافیوں سے طالبِ حق کو تذبذب و حیرت کا سامنا کرنا پڑے اور اسے حصولِ مطلب اور وصولِ مقصد میں دشواری نہ ہو۔ اللہ ہی توفیق کا مالک اور اس کے ہاتھ میں تحقیق کی توفیق ہے۔

— اشیاء کی حقیقتیں :

تمام چیزوں کی حقیقتیں واضح اور ثابت ہیں۔ تمام عقائد اور احکام کی بنیاد صرف اس عقیدے پر ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہے۔ اور یہ حقیقت کسی کے علم میں آنے یا اعتقاد کرنے پر موقوف نہیں۔ اور محض وہم و خیال پر بھی دار و مدار نہیں رکھتیں جس طرح کہ پانی حقیقت میں پانی ہے اور آگ حقیقت میں آگ ہی ہے۔ اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ آگ کو پانی تصور کر لیا جائے یا پانی کو آگ پر محمول کر لیا جائے تو اس وہم عقیدہ یا خیال سے ان اشیاء کی حقیقتیں بدل جائیں گی۔ اگر ہم گرم کو سرد کہنے لگیں یا سرد کو گرم کہنے لگیں تو گرم چیز سرد اور سرد گرم نہیں ہو سکتی۔ جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے۔ ان کو سونپٹائی کہتے ہیں۔ یہ بات عقل اور شرع کے لحاظ سے ہر طرح غلط اور بہودہ ہے کوئی عقل والا یہ نہیں کہے گا کہ پانی اور آگ کی حقیقت محض وہم و گمان ہے۔ اور اگر کچھ حقیقت ہے تو بس اعتقاد ہی کی بدولت ہے۔

ایک اور طبقہ ایسا ہے، جو سونپٹائیوں کی طرح ہر چیز کی نسبت شک کرتا ہے کہ وہ موجود بھی ہے یا نہیں۔ حتیٰ کہ انہیں اپنے آپ پر بھی شک رہتا ہے۔ یہ ان کا کلام نامعقول اور لاعینی ہے۔ ایسے لوگوں سے زبانی بحث و مناظرہ میں وقت ضائع کرنا بے نتیجہ ہوگا۔ ان کا تو بس ایک ہی علاج ہے کہ انہیں آگ میں جلا دیا جائے تاکہ انہیں آگ کی گرمی سے آگ کی حقیقت کا علم ہو جائے اور اگر جل مرے تو ایسے کج بحث لوگوں سے دنیا کو نجات مل جائیگی۔ اور ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔

— عالم عارضی ہے۔

یہ عالم عارضی (حادث) ہے قدیم نہیں۔ ذاتِ حق یا اس کی صفات کے علاوہ ہر چیز حادث ہے۔ ہر چیز عدم سے وجود میں آئی ہے اور قدیم نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا :

كان الله ولم يكن معه
شيءٌ
الله ازل میں موجود تھا اس کے ہمراہ
کوئی چیز نہیں تھی۔

عقلی دلیل یوں ہے کہ عالم تغیر و حوادث کا مقام ہے جو ایسا ہو قدیم نہیں ہو سکتا
کیونکہ قدیم تو کبھی تغیر پسند اور حوادث کا شکار نہیں ہو سکتا۔ ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی جملہ صفات ایسی ہی ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل کو کوئی گنجائش نہیں
اس کی شان بلند اور برہان قوی ہے۔

— عالم فانی ہے۔

عالم موجود ہونے کے بعد فنا پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

كل شيء هالك الا وجهه
اسکے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے
فرشتے، بہشت اور دوزخ وغیرہ جن کے ہمیشہ رہنے کی خبریں احادیث میں آتی
ہیں۔ اس آیت کی روشنی میں وہ بھی فانی ہیں خواہ وہ ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہوں۔
خداوند تعالیٰ انہیں فنا کے بعد پھر دوامی زندگی دے گا یہ اس کا کرم اور قدرت ہے۔

— عالم کا خالق ہے۔

عالم کا کوئی نہ کوئی بنانے والا (خالق) ضرور ہے جس نے اسے معدوم سے موجود
بنایا۔ کیونکہ جب عالم حادث ہے اور حادثہ اسی کو کہتے ہیں کہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہو
لہذا حادث کو عدم سے وجود میں لانے کے لئے ایک قدیم ذات کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ
اگر حادث خود بخود رونما ہو سکتا تو اسے حادث نہیں بلکہ قدیم کہا جائے گا۔ کیونکہ یہ ہمیشہ
سے نہیں تو اسے کسی نے معدوم سے موجود بنایا اور پیدا کیا ہے اور وہی اس کا خالق ہے،

— وہ قدیم ہے۔

وہ ہمیشہ سے ہے۔ عالم کو پیدا کرنے والا قدیم ہونا چاہئے۔ اگر وہ حادث ہوگا
تو وہ عالم کی ایک مخلوق ہوگی۔ خالق نہیں ہو سکتا۔

اس کا وجود واجب ہے وہ بذات خود قائم ہے اسے کسی دوسری ذات کی محتاجی

نہیں ہے۔ کیونکہ غیر کا محتاج تو خدا ہونے کے لائق ہی نہیں۔ خدا کا معنی ہی خود موجود ہونے والا اور خود آئندہ ہے۔ یہ ضروری ہے کہ تمام موجودات کا سلسلہ ایسی ایک ذات تک منتہی ہو۔ جو خود موجود ہو ورنہ یہ سلسلہ لامتناہی ہو جائے گا۔ اور یہ بات غیر معقول ہے۔

— وہ واحد ہے۔

وہ یکتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ وہ بلاشبہ واحد اور یکتا ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ جہان کا پیدا کرنے والا اور اس کے انتظام کو چلانے والا اس کے بغیر اور کوئی نہیں۔ وہ زندہ، دانا، قادر اور صاحب اختیار ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اسے کسی قسم کا جبر یا اضطراب نہیں ہوتا کیونکہ اتنے وسیلے جہان کا پیدا کرنا جس میں بڑی خوبی اور اتفاق پایا جاتا ہے۔ ان صفات کے بغیر ناممکن ہے۔ مردہ، جاہل اور غیر مختار ہستی ان انتظامات کو چلانے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ یہ صفات کسی حد تک (حیات، علم و قدرت اور ارادہ) اس کی مخلوقات میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اگر وہ ان صفات کو بدرجہ اتم نہ رکھتا تو اپنی مخلوقات کو ان صفات سے کیسے نوازتا۔ وہ متکلم، سمیع اور بصیر ہے۔ گونگا، بہرا خدا ناقص ہوتا ہے۔ حالانکہ خدا ہر قسم کے نقص سے پاک ہے۔ اس کی صفات پر قرآن پاک گواہ ہے۔ ان صفات کو عقل اور قیاس نہیں پاسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا نمونہ حضرت انسان میں رکھا ہے جس سے کسی قدر اس کی صفات کا اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن فی الواقعہ انسانی صفات خدائی صفات سے کسی طرح مشابہ نہیں ہیں۔

اللہ کی صفتیں اس کی ذات کی طرح قدیم اور باقی ہیں۔ اس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث قائم نہیں۔ اس کے کمالات ازل سے ثابت ہیں۔ کیونکہ محل حوادث حادث ہوتا ہے۔ جو قدیم ہے وہ محل حوادث نہیں ہو سکتا۔

ولیس مجسم۔ ولا جوہر۔ ولا عرض ولا مصور و مرکب ولا

معدود ولا محدود ولا فی جہۃ ولا فی المکان ولا فی الزمان

مندرجہ بالا تمام صفتیں تو عالم سے وابستہ ہیں۔ اور وہ عالم کی صفات پاک و مبرا

ہے۔ زمانہ میں نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ زمانہ اسے احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کا وجود کسی زمانہ پر موقوف نہیں۔ جب زمانہ نہ تھا وہ موجود تھا وہ اب بھی موجود ہے اور اور جب زمانہ نہیں ہوگا۔ پھر بھی موجود ہوگا۔ وہ زمانہ میں نہیں۔ لا مثل لہ، ولا شہد، ولا ضد ولا مثلہ ولا ظہیر ولا معین۔

وہ اپنے غیر سے مل کر ایک نہیں اور نہ کسی دوسرے میں حلول کرتا ہے۔ کیونکہ دو کا ایک ہونا محال ہے۔ دوئی ایک وحدت کی ضد ہے۔ غیر میں حلول تو جسم کی صفات میں سے ہے۔ مگر وہ جسم سے پاک ہے۔ وہ تمام صفات کمال سے منصف ہے۔ نقصان و زوال کی علامتوں سے پاک ہے۔ غرضیکہ جس قدر بھی بقا و کمال کی صفات پائی جاتی ہیں سب اس میں پائی جاتی ہیں۔ اور نقص و زوال کے تمام نشانات سے وہ مبرا ہے۔

قیامت کے دن دیدارِ خداوندی۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کو دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا حدیثِ پاک میں ہے۔

انکم سترون ربکم یوم
القیامۃ کما ترون القہم
لیلۃ البدر
تم عنقریب اپنے اللہ کو اس طرح
دیکھو گے۔ جس طرح چودھویں رات
کا چاند دکھائی دیتا ہے

اس حدیث میں تشبیہ محض دیکھنے میں ہے۔ چاند اور ذاتِ باری تعالیٰ میں تشبیہ نہیں ہے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے دیدار میں مقابلہ۔ مواجہہ اور قرب و بعد میں نہ ہوگا۔ اسی آنکھ کو قوتِ بصیرت عطا ہو جائے گی جو لوگ دیدارِ خداوندی کو دل کی آنکھ (چشمِ بصیرت) سے دیکھتے ہیں وہ قیامت کے دن چشمِ سر دیکھیں گے۔ عالمِ آخرت حقیقت کے ظاہر ہونے کا مقام ہے جو آج باطن ہے کل ظاہر ہوگا۔ جو آج پوشیدہ ہے وہ کل واضح ہوگا۔ شایع علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا ہے۔ اس پر ایمان رکھنا چاہئے۔ ہاں اس کی کیفیت سولے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔

— فرشتوں کو دیدارِ الہی —

بعض کتابوں میں ایسا ہے اور یہ بات مشہور بھی کر دی گئی ہے کہ فرشتوں کو دیدارِ الہی نہیں ہوگا۔ صرف جبریل علیہ السلام کو اپنی ساری عمر میں ایک بار دیکھنے کا موقع ملے گا۔ جنات تو دیدارِ خداوندی سے بالکل محروم رہیں گے۔

شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے رسائل میں تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ امام ابو الحسن اشعری نے جو اہل سنت و جماعت کے امام مانے جاتے ہیں۔ اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ فرشتوں کو بہشت میں دیدارِ الہی ہوگا۔ امام بیہقی نے بھی اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے۔ اپنی رائے کی تائید میں احادیث نقل کی ہیں۔ آئمہ متاخرین میں سے بھی بعض کا عقیدہ یہی ہے۔

— جنات کو دیدارِ الہی —

جنات کو دیدارِ الہی سے محرومی کو تو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ امام عظیم رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ کا ایک طبقہ اسی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ نہ انہیں ثواب حاصل ہوتا ہے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہونگے۔ ان کی نیکیوں کا بدلہ صرف یہی ہے۔ کہ وہ دوزخ کی آگ سے نجات پائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم انتہائی وسیع ہے۔ وہ کسی نہ کسی وقت عذاب سے نجات حاصل کر لیں گے۔ اگرچہ یہ فضل و کرم (آدمیوں کی طرح) ہر روز اور ہر جمعہ کو نہیں ہوگا۔

— عورتوں کو دیدارِ الہی —

عورتوں کو دیدارِ الہی کے سلسلہ میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر جی تو یہ ہے کہ انہیں بھی کبھی کبھی دیدار ہوگا۔ جس طرح دنیا کے بعض خاص ایام مثلاً عید وغیرہ انہیں گاہے بگاہے دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا۔ انہیں خواص مومنین کی طرح صبح و شام اور عوام الناس کی طرح ہر جمعہ کے روز نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کسی احادیث آئی ہیں۔ مندرجہ بالا خیالات حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

عورتیں دراصل عوام مسلمانوں کے ضمن میں آتی ہیں۔ جس طرح کہ جن اور ملائکہ بھی اس

بشارت کے مستحق و امیدوار ہونگے مگر حقیقت یہ ہے کہ نعمتِ رویت باری تعالیٰ مخصوص لوگوں کے لئے وقف ہے جن و ملائکہ کے لئے یہ نعمت عام نہیں ہے۔ ہاں اس سلسلہ میں ہمارے پاس اگر کوئی قوی دلیل لائی جائے۔ تو ہم تسلیم کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ اس بشارت سے عورتوں کا اخراج مطلوب و مقصود نہیں ہے۔ یہ کبھی باور نہیں کیا جاسکتا۔ کہ حضرت فاطمہ زہراء حضرت خدیجہ الکبریٰ۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور اہل بیت کی دوسری عورتیں رضی اللہ عنہن حضرت مریم و آسیہ جو دنیا کی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور عرفان و کمال میں کئی مردوں سے بھی بڑھ کر ہیں۔ رویت الہی سے محروم رہیں یا عام مردوں سے اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول میں پیچھے رہ جائیں۔ بلکہ انہیں عام مومنات سے مخصوص اور مستثنیٰ رکھا جائے گا۔ جن کے لئے احادیث میں عیدین اور جمعہ کا تعین کیا گیا ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو اس لئے دیدار نہیں ہوگا کہ وہ خیمے میں ہونگی محض غلط بات ہے۔ کیونکہ وہاں خیمے دنیا کے خیموں کی طرح حجاب و پردہ کا ذریعہ نہیں ہونگے۔ ویراہ المؤمنون اعدانکم شتروں ربکم میں دو صیغے جمع مذکر کے ہیں۔ پہلے جملے کے یہ معنی ہیں کہ مومن اللہ کریم کا دیدار پائیں گے اور دوسرے جملے کے معنی یہ ہیں کہ بیشک عنقریب ہی تم اپنے رب کو دیکھ لو گے۔

اس کا جواب یہ ہے۔ "یہ تغلیباً" ہے۔ یعنی غلبہ مردوں کا بیان کیا گیا ہے۔ اور عورتیں بھی اس حکم میں آتی ہیں۔

سیوطی نے یہ بھی کہا ہے۔ رویت کی تخصیص و تفضیل بہشت میں داخل ہونے کے بعد ہیں۔ اور موقف میں کسی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کافروں اور منافقوں کو بھی قیامت میں رویت باری تعالیٰ نصیب ہوگی مگر جلال و قہر کی حالت میں ہوگی اور اس کے بعد محبوب کر دیئے جائیں گے۔ تاکہ جسرت و غداہب زیادہ ہو۔

— خواب میں دیدار الہی —

اللہ کریم کو خواب میں دیکھنے کے متعلق بھی اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ

خواب میں دیدارِ الہی صحیح اور حق ہے۔ اور سلف سے اس کے متعلق روایات ملتی ہیں۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے خداوند تعالیٰ کو خواب میں

دیکھا اور عرض کیا اے پروردگار! سب عبادتوں میں افضل ترین عبادت کونسی ہے اور

تیری بارگاہ میں پہنچنے کا نزدیک تر راستہ کونسا ہے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت!

امام اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک سو بار خداوند عالم کو

خواب میں دیکھا تھا۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر تابعین اور خواب کے تعبیر بتانے

والوں کے امام مانے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں ”جو شخص خواب میں اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا۔

اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بہشت میں جگہ پائے گا اور رنج و غم سے نجات پائے گا۔“

یہ درحقیقت مشاہدہ قلبی ہے اور ظاہری آنکھ اسے دیکھنے سے قاصر ہے۔ اگر کوئی

آنکھ سے دیکھے تو وہ دیکھنا مثالی ہے۔ حق تعالیٰ مثل نہیں مگر مثالی ہے۔ مثل اور مثال میں

بہت فرق ہے۔ مثل وہ ہے جو تمام صفات میں ممثل لہ کے مشابہ ہو مگر مثال میں مساوات

منقطع نہیں۔ عقل کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ تمام صفات میں آفتاب کے

مشابہ نہیں۔ حالانکہ آفتاب کی مثال عقل کو لاتے ہیں۔ مناسبت بس اتنی ہے۔ جس طرح

آفتاب کے نور سے محسوس چیزیں منکشف ہوتی ہیں۔ عقل کے نور سے معقولات منکشف

ہوتی ہیں۔ مثال ہونے کے واسطے اسی قدر مناسبت کافی ہے ایسے ہی بادشاہ کو آفتاب

کی مثال۔ وزیر کو چاند کی مثال دیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص آفتاب کو خواب میں دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ بادشاہ سے

ملاقات کرے گا۔ اگر ماہتاب کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی ملاقات وزیر

سے ہوگی قرآن نے اس مثال کو کس انداز میں بیان کیا ہے۔

مثل نوره کمشکوۃ فیہا

مصابح المصباح فی زجاجہ

اللہ کے نور کی مثال اس نور کی سی

ہے جس میں جہراخ ہو اور جہراخ

شیشے کے فانوس میں روشنی ملے

رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات مصباح و زجاجہ یا چراغ شیشہ اور قانوس کی تشبیہ سے پاک ہے۔ اسے زیتون کے درخت کی تشبیہ بھی زیب نہیں دیتی۔ ہاں اس کے نور کی مثال میں لیں ہے۔ جس طرح قرآن کو جبل منین سے مثال دی گئی ہے حقیقت میں ایک رسی قرآن کے مشابہ نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح عالم خواب بھی عالم مثال ہے۔ سرکارِ دو عالم کے دیکھنے اور مشرف بزیارت ہونے کی کیفیت بھی ایسی ہی ہے۔ اس کلام کی پوری تحقیق امام حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے رسائل سے معلوم ہوتی ہے۔

دنیاوی زندگی میں اللہ تعالیٰ کو بیداری کی حالت میں سر کی آنکھوں سے دیکھنے کے سلسلے میں دو قول ہیں۔ استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "قشیریہ" میں فیصلہ دیا ہے کہ عدم جواز کا قول صحیح ہے۔ یہ گفتگو جواز اور امکان میں ہے۔ اور عدم وقوع میں سب کے نزدیک محقق ہو چکا ہے کہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مشعر آج میں حسب روایت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دیدار ہوا اور کسی کو میسر نہیں۔

محدثین۔ فقہا متکلمین حتیٰ کہ مشائخ طریقت بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ کتاب تعرف میں لکھا ہے کہ مشائخ میں سے کسی نے بھی روایت الہی کا دعویٰ نہیں کیا۔ اور نہ کسی نے اس کا ثبوت ہم پہنچایا ہے۔ مگر جاہل صوفیا کا ایک طبقہ جنہیں صوفیا کی صفت میں کسی صورت بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ روایت الہی کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں۔ مشائخ کا اجماع اسی بات پر ہے۔ کہ روایت کا مدعی کاذب اور جھوٹا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا دعویٰ کرنا معرفت کے نہ حاصل ہونے کی علامت ہے۔ جس نے دعویٰ کیا ہے حقیقت میں وہ خدا کو نہیں چان سکا۔ شیخ علاؤ الدین قودی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح تعرف میں لکھا ہے۔ کہ اگر روایت الہی کی نقل کسی معتبر سے پہنچے تو اس کی تاویل کر لینا چاہئے۔ تفسیر کو اشئ میں مذکور ہے کہ سر کی آنکھ سے روایت کا معتقد مسلمان نہیں رہتا۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ اعتقاد درست ہے۔ اردوبیلی نے کتاب انوار میں جو شافعی فقہ کی اہم ترین

کتاب ہے) لکھا ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ دنیا میں اس نے سر کی آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے میں اس کے منہ پر اسے کافر کہنے کے لئے تیار ہوں۔ عقیدہ منطومہ میں یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

وَمَنْ قَالَ فِي الدُّنْيَا يَرَاهُ بِعَيْنِهِ
وَذَاكَ مَنْ قَالَ فِيهِ أُولَىٰ
فَذَاكَ زَنْدِيقٌ طَغَىٰ وَتَهَرَّدَا
وَزَاعَ عَنِ الشَّرْعِ الشَّرِيفِ وَالْعَدَا
يَرَىٰ وَجْهَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَسْوَدَا

— خالقِ جمیع اشیاء —

اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ آسمان۔ زمین وغرضیکہ آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو چیز بھی ہے۔ اسی کی بنائی ہوئی ہے اور اسی کی قدرت کے ماتحت کام کر رہی ہیں۔ وہ تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا ہے۔ تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تمام کاموں کے نتائج معلوم کرنے کے بعد اسی طرح ٹھیک کرنا کہ اس میں کسی قسم کا نقص پیدا نہ ہو۔ تمام اشیاء کو ازلی اندازے اور تقدیر سے ہی پیدا فرمایا۔ خیر و شر۔ نفع و ضرر حسن و قبح تمام قضا و قدر الہی سے ہیں۔

— عالمِ جمیع معلومات —

اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا مالک ہے، جزو کل تمام عالم کے ذرات میں سے ہر ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، کوئی چیز اس پر واجب و لازم نہیں لطف و قہر نہ ثواب و عتاب۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، خدا ہر کسی کی حکمرانی نہیں، عبادت گزار اس کے فضل سے ثواب پاتے ہیں، گناہگار اس کے عدل سے سزا حاصل کرتے ہیں۔ وہ ہر حالت میں اپنے قہر و فضل۔ عدل اور کرم میں محمود ہے، کوئی شخص اس پر اپنا استحقاق اور لازمی حق نہیں جتا سکتا۔ اس نے خود فرمایا ہے کہ فرمانبرداروں کو ثواب دوں گا۔ نافرمانوں کو عذاب کو دوں گا۔ ہر امر اسی کے حکم کے مطابق سے ہوتا ہے لیکن یہ بات اس پر واجب نہیں۔ اگر وہ اس قاعدے کے خلاف کرے تو کسی کی طرف تفت نہیں۔ کہ کہہ سکے کہ ایسا کیوں ہوا۔

اس کو اپنے کاموں میں کوئی غرض وابستہ نہیں ہوتی۔ ہر صاحب غرض تو اپنی غرض پوری کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ مگر اس کے ہر کام میں حکمتیں ہیں۔ اور انسان ان کی حکمت دریافت کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی حکمتوں سے جو فائدے برآمد ہوتے ہیں۔ وہ سارے اس کی مخلوقات کے لئے ہیں۔ اسے ان فائدوں کا کوئی احتیاج نہیں۔ خلقت کا موجود ہونا یا معدوم ہونا، ان کے نفع و نقصان اللہ کی نسبت یکساں ہیں۔ وہ اپنی ذاتی بخشش سے اور اپنے ارادہ سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ رعایت حکمت و مصلحت اس پر واجب و لازم نہیں ہے۔

— حاکم بلا شرکت غیرے —

اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ صرف اسی کا حکم واجب ہے۔ نیکی و بدی پر ثواب و عذاب اس کے حکم سے نافذ ہوتا ہے۔ اچھا کام وہ ہے جس کا اس نے حکم دیا ہو۔ بُرا وہ ہے جس سے اس نے روکا ہو۔ کام کا اچھا یا بُرا ہونا شارع کے حکم دینے یا منع کرنے پر منحصر ہے۔ یہاں عقل بے کار ہے کہ وہ کس کام کی اچھائی یا بُرائی کے متعلق فیصلے کرتی پھرے۔ جن لوگوں کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی۔ پہاڑوں کی دشوار وادیوں یا سمندر کے دُور دراز جزیروں میں رہنے والے وہیں پیدا ہوئے اور وہیں مر گئے۔ نہ کسی آبادی والے سے ملے۔ وہ آخرت میں ماخوذ اور معذب نہیں ہونگے۔

بعض مشائخ کے نزدیک ایسے لوگ بھی ایمان نہ لانے اور اللہ کی توحید پر اعتقاد نہ کرنے کی وجہ سے ماخوذ ہونگے۔ کیونکہ اس قدر معلوم کر لینا کہ اس جہان کا پیدا کرنے والا کوئی ہے اور تمام صفات و کمالات سے موصوف ہے۔ شریعت پر ہی موقوف نہیں کائنات کے تعبیرات و امکانات دیکھ کر عقل کے نزدیک بھی توحید صانع پر ایمان ضروری ہے۔

پہلے طبقے نے قرآن پاک کی آیت بطور دلیل پیش کی ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ
نَبْعَثَ رَسُولًا ط

ہم کسی کو عذاب نہیں کریں گے
جب تک اس کے پاس رسول نہ بھیج

دیں۔

رسول اسلام کی دعوت دے اور وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں۔ رسول کی سعادت
 کریں۔ تو پھر قابل مواخذہ اور معذب ہونگے۔ اس آیت پر تاویلی طور پر یہ کہنا کہ رسول
 سے مراد عقل ہے محض بیہودہ اور لغو دلیل ہے۔

شیخ کمال الدین ابن ہمام نے (جو حنفیہ کے محققین میں سے ہیں) فریق اول کی
 تائید کی ہے اور ابو البشر نبردوی بھی اسی خیال سے متفق ہیں۔ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ
 سے روایت کرتے ہیں۔

حسُن و قبح کیا ہے ؟

کام اچھا وہ ہے جسے شارع علیہ السلام نے اچھا کہا اور بُرا وہ ہے جس سے شارع
 علیہ السلام نے منع کیا۔ بذاتِ خود نہ کوئی کام اچھا ہے نہ بُرا۔ کیونکہ اچھے اور بُرے کے
 نتائج تو آخرت کے عذاب و ثواب پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہ بات عقل کی رسائی سے
 باہر ہے۔ ہاں کسی کام کا پسندیدہ یا ناپسندیدہ ہونا عقل کی حدود میں آسکتا ہے عدل
 کو اچھا جاننا۔ ظلم کو ناپسند کرنا۔ علم کو صفتِ کمال یا جہالت کو صفتِ نقصان خیال
 کرنا عقل کے اختیار میں ہے۔

— ملائکہ

اس بات پر اعتقاد کرنا بڑا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں۔
 ان کے اجسام نورانی ہیں اور وہ ہر شکل اختیار کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی ارواح
 مجرہ ہیں۔ ان کا بدن ہی ان کے لئے لباس کا کام دیتا ہے۔ ان کے ہاں مذکر و مؤنث کا
 امتیاز نہیں تو والد و ناسل کا سلسلہ ان کے ہاں نہیں پایا جاتا۔ آسمان و زمین بلکہ
 تمام اجزائے عالم پر فرشتے موکل ہیں۔ وہ اجزائے عالم پر مرتب۔ مدبر اور نگہبان ہیں۔
 ایک ایک آدمی پر کئی کئی فرشتے مقرر ہیں۔ بعض اعمال کے لکھنے بعض شیطان اور دوسرے
 موذیوں سے بچانے پر مقرر اور محافظ ہیں۔ تمام عالم علوی و سفلی میں کوئی جگہ ایسی نہیں
 جہاں فرشتے معمور نہ ہوں۔ اور ان کی حکمرانی نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے، کہ
 تمام مخلوقات کے دس حصے تصور کئے جائیں تو ان کے نو حصے صرف فرشتے ہی ہیں۔

۱۰ فرشتوں کے پُر اور بازو بھی ہوتے ہیں۔ دو دو۔ تین تین چار چار۔ قرآن پاک نے فرشتوں کے بازووں کا

۱۱ حضور اقدس صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ فرماتے ہیں :
 خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ نَّارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا
 وَصِفَ لَكُمْ۔

۱۲ ملائکہ (فرشتے) نور سے بنائے گئے۔ اور جن آگ کی لو سے جس میں دُھواں ملا ہوا تھا۔ اور آدم
 اس چیز سے جو تمہیں بتائی گئی۔ یعنی سیاہ اور سپید و سرخ مٹی سے۔

۱۳ کَمَا عِنْدَ ابْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
 اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا إِسْنَادُ أَمَامِ أَحْمَدُ وَمُسْلِمٌ عَنْ أَمْرِ
 الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا۔

۱۴ عبد الرزاق اپنے مصنف میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱۵ يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورًا نَبِيَّكَ مِنْ نُورِهَا
 (القولہ) فَلَمَّا أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذَلِكَ النُّورَ أَرْبَعَةَ
 أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنْ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِي الْمَوْحَ وَمِنَ الثَّلَاثِ
 الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَمَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ۔ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ حَمَلَةَ الْعَرْشِ
 وَمِنَ الثَّانِي الْكُرْسِيِّ وَمِنَ الثَّلَاثِ بَاقِيَ الْمَلَائِكَةِ۔ الْحَدِيثُ۔

۱۶ اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے بنایا۔ پھر جب
 عالم کو پیدا کرنا چاہا۔ اس نور کے چار حصے کئے۔ پہلے سے قلم اور دوسرے سے لوح اور تیسرے سے
 عرش بنایا۔ پھر چوتھے ٹکڑے کے چار حصے کئے پہلے سے ملائکہ حاملان عرش۔ دوسرے سے کرسی تیسرے
 سے باقی فرشتے پیدا کئے۔

۱۷ علامہ فاسی مطالع السرات میں زیر قول دلائل التقدّم من نور ضیائک ناقل:
 قَدْ قَالَ الْأَشْعَرِيُّ أَنَّهُ تَعَالَى نُورٌ لَيْسَ كَالْأَنْوَارِ وَالرُّوحِ النَّبَوِيِّ
 الْمُقَدَّسَةِ لِنَعَةِ مَنْ نُورِهِ وَالْمَلَائِكَةُ سُورٌ تَلِكِ الْأَنْوَارِ وَقَالَ

خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ لہذا اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ پروں کی صحیح تعداد

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ نُورًا حَيًّا وَ مِنْ نُورِ حَيِّ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ -

یعنی امام اشعری فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل نور ہے نہ مثل اور انوار کے۔ اور روح پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کے نور کی ایک چمک ہے۔ اور فرشتے ان (حضور سرور کائنات) کے نور کے شرارے ہیں۔ حضور والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بتایا۔ اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا کی۔

ابوالشیخ نے عکرمہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا:

خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورِ الْعِزَّةِ -
فرشتے نور عزت سے بنائے گئے۔

یزید بن رومان سے راوی کہ انہیں خبر پہنچی۔

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ خُلِقَتْ مِنْ نُورِ اللَّهِ -
کہ ملائکہ ربانی روح سے پیدا کئے گئے ہیں۔

غالباً اس احتمال کی شرح وہ ہے جو امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے۔ کہ روح ایک فرشتہ ہے۔ جس کے ستر ہزار سر ہیں۔ ہر سر میں ستر ہزار چہرے۔ ہر چہرے میں ستر ہزار دہن (منہ)۔ ہر دہن میں ستر ہزار زبانیں۔ ہر زبان میں ستر ہزار لغت۔

بِسْمِ اللَّهِ تَعَالَى بِتِلْكَ اللُّغَاتِ كُلِّهَا يُخَلَقُ مِنْ كُلِّ تَسْبِيحَةٍ مَلَكٌ يُطِيرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -

وہ (فرشتہ) ان سب لغتوں سے (کہ ایک لاکھ اڑھتھ ہزار ستر جگہ ماسکھ ہوئے جس کی کتابت یوں ہے۔ کہ ۶۸۰۰۰ لکھ کردائیں ہاتھ کو بیٹیں صفر کا دیکھئے اللہ عزوجل کی تسبیح کرتا ہے۔ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ قیامت تک ملک کے ساتھ پرواز کرے گا

ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الْبَدْرُ حَمُودًا لِعَيْنِي فِي عُمْدَةِ الْقَارِي شَرْحِ صَحِيحِ
الْبُخَارِيِّ مِنْ كِتَابِ التَّفْسِيرِ وَالْإِمَامُ الرَّازِيُّ فِي تَفْسِيرِ الْكَبِيرِ -

کا علم اللہ کو ہے۔ اس سے یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ بازوں سے مراد قوائے ملکی ہے جس طرح دوسرے احکام

تعلیٰ نے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ روح ایک ملک (فرشتہ) عظیم ہے۔ آسمان وزمین و جبال و ملائکہ سب سے۔ اور اس کا مقام آسمان چہام میں ہے۔
وَسَبَّحُ كُلُّ يَوْمٍ اَنْثَى عَشْرَ تَسْبِيحَاتٍ بِمَخْلُقٍ مِنْ كُلِّ تَسْبِيحَةٍ مَلَكٌ۔

ہر روز بارہ ہزار تسبیحیں کتا ہے۔ ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بنتا ہے یہ روح نامی فرشتہ روز قیامت تنہا ایک صف ہوگا۔ اور باقی سب فرشتوں کی ایک صف۔

ذَكَرَهُ الْاِمَامُ الْبَغَوِيُّ فِي الْمَعَالِمِ تَحْتَ قَوْلِهِ تَعَالَى يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا وَالْاِمَامُ الْعَيْنِيُّ فِي الْعُمَدَةِ تَحْتَ قَوْلِهِ تَعَالَى وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ
مَرُوءٍ هُوَا:

اِنَّ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَهِيَ مِنْ مَاءٍ وَدُخَانٍ مَلِيكَةٌ خَلِقُوا مِنْ مَاءٍ وَرِيحٍ عَلَيْهِمْ مَلَكٌ يُعَالُ لَهُ الرَّعْدُ وَهُوَ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ وَالْمَطَرِ۔

آسمان دنیا میں کہ پانی اور دھوئیں کا بنا ہے۔ ملکہ میں کہ آب و ہوا سے بنائے گئے ہیں۔ ان کا افسر ایک فرشتہ رحمانی ہے۔ جو ابر و باران پر موکل ہے۔

ذَكَرَهُ الْاِمَامُ الْقُسْطَلَانِي فِي الْمَوَاضِعِ۔

سیدی شیخ الکبریٰ الملتی والدین ابن عربی قدس سرہ الشریف فرماتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے ایک نور کی تجلی فرمائی۔ پھر تاریکی بنائی۔ ظلمت پر اس نور کا پرتو ڈالا۔ اس سے عرش ظاہر ہوا۔ پھر اس طے ہوئے نور سے کہ ضیائے صبح کی مانند تھا جس میں تاریکی شب مخلوط ہوتی ہے۔ ان ملائکہ کو بنایا۔ جو گرو عرش میں۔ پھر کرسی پیدا کی۔ اور اس میں اسی کی طبیعت کی جنس سے ملائکہ پیدا کئے۔

ذَكَرَهُ فِي الْبَابِ الثَّالِثِ عَشَرَ مِنَ الْمُتَوَحَّاتِ الْمَكِّيَّةِ۔ وَآوَرَدَهُ الْاِمَامُ الشُّعْرَانِي فِي الْاِيْنَاقِيَّتِ وَالْجَوَاهِرِ۔

شیخ ابوسفید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَنَهْرًا مَا يَدْخُلُهُ جَبْرِيْلٌ دَخَلَةً فَيَخْرُجُ فَيَنْتَفِضُ الْاَخْلَاقَ
اللَّهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ تَقَطَّرُ مِنْهُ نَلْكَا۔

متشابهات قرآنی ہیں۔ عدد مذکورہ سے صحرا و نہیں۔ کہ چار چار بازوں سے زیادہ فرشتوں کو نہیں ملے۔ حدیث

بیشک و شبہ جنت میں ایک نہر ہے۔ کہ جب جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں جا کر باہر آ کر پڑ
جھاڑتے ہیں جتنی بوندیں ان کے پروں سے گرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر بوند سے ایک فرشتہ پیدا کرتا
ہے۔ حالانکہ جبرائیل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چھ سو پر ہیں۔ کہ اگر ایک پر پھیلاویں۔ تو افق آسمان
چھپ جائے۔

ابن ابی حاتم و عقیلی و ابن مردودیہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ
علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :-

فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ نَهْرٌ يُقَالُ لَهُ الْجَيَّوَانُ يَدْخُلُهُ جِبْرِيلُ كُلَّ يَوْمٍ
فَيَنْغَسِسُ فِيهِ الْعَمَاسَةَ مِنْهُ يُخْرَجُ فَيَنْتَفِضُ انْتِفَاضَةً فَيَخْرُجُ عَنْهُ
سَبْعُونَ أَلْفَ قَطْرَةٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ مَلَكًا هُمُ الَّذِينَ يُؤْمَرُونَ
أَنْ يَأْتُوا الْبَيْتَ الْمَعْمُورَ فَيَصَلُّوا فَيَفْعَلُونَ ثُمَّ يَخْرُجُونَ فَلَا يَعُودُونَ
إِلَيْهِ أَبَدًا وَيُوتَى عَلَيْهِمْ أَحَدُهُمْ ثُمَّ يَوْمَرُ أَنْ يَقِفَ بِهِمْ فِي السَّمَاءِ مَوْقِعًا
يُسَبِّحُونَ اللَّهَ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ۔

چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے۔ جسے نہریات کہتے ہیں۔ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز اس میں
ایک غوطہ لگا کر پڑ جھاڑتے ہیں جس سے ستر ہزار قطرے جھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا
کرتا ہے۔ انہیں حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور میں جا کر نماز (صلوٰۃ) پڑھیں۔ جب پڑھ کر نکلتے ہیں پھر کبھی
اس میں نہیں جاتے۔ ان میں سے ایک کو ان پر افسر بنا کر حکم فرمایا جاتا ہے۔ کہ آسمان میں ان کو ایک
جگہ لے کر کھڑا ہو۔ وہ سب مل کر قیامت تک وہاں تسبیح الہی کرتے ہیں :-

وَرَدَى ابْنُ الْمُنْذِرِ نَحْوَهُ بِدُونِ ذِكْرِ النَّهْرِ مِنْ طَرِيقٍ صَحِيحَةٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ
رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَكِنَّ مَوْقُوفًا قَالَ الْإِمَامُ الْحَافِظُ ابْنُ سَعْدٍ وَمَعْلُومٌ
أَنَّ الْمَوْقُوفَ كَالْمَوْقُوعِ أَقُولُ فَصَحَّ الْحَدِيثُ وَمَقَطٌ مَا نَقَلَ الْقَائِلُ
عَنِ الْوَلِيِّ الْعِرَاقِيِّ إِنْ لَمْ يَنْبُتْ فِي ذَلِكَ شَيْءٌ فَقَدْ أَثْبَتَهُ الْحَافِظُ وَفَوْقَ
كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْهِ۔

پاک میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو جبرائیل کے چھ سو پرو کیے۔

عطا و مقاتل و ضحاک کی روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یوں آیا :
 إِنَّ عَن بِيَمِينِ الْعَرْشِ نَهْرًا مِنْ نُورٍ مِثْلَ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَالْأَرْضِينَ
 السَّبْعِ وَالْبَحَارِ السَّبْعِ يَدْخُلُ فِيهِ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلَّ
 سَجْدَةٍ وَيَغْتَسِلُ فِيهِ فَيَزِدُّ دَادُ نُورًا إِلَى نُورٍ وَجَمًّا لَا إِلَى جَمٍّ إِلَّا
 ثُمَّ يَنْتَفِضُ فَيَخْلُقُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ كُلِّ نُقْطَةٍ تَقَعُ مِنْ رِيشِهِ كَذَا
 كَذَا أَلْفَ مَلِكٍ يَدْخُلُ مِنْهُمْ الْبَيْتَ السَّبْعُونَ أَلْفًا مَلِكًا لَا يَعُودُونَ
 إِلَيْهِ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ -

عرش کے دائیں طرف نور کی ایک نہر ہے۔ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ساتوں سمندروں کے برابر۔ اس میں ہر سحر جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نہاتے ہیں جس سے ان کے نور پر نور اور جمال پر جمال بڑھتا ہے۔ پھر وہ اپنے پروں کو جھاڑتے ہیں۔ جو چھینٹ گرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اتنے اتنے ہزار فرشتے بناتا ہے۔ جن میں سے ستر ہزار بیت المعمور جاتے ہیں۔ پھر قیامت تک اس میں داخل نہیں ہوتے۔ ذکرا الامام محمد بن الدین الرازی فی تفسیر قولہ تعالیٰ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ -

ابو نعیم خطیم و ابن عساکر اور بیہقی کتاب الرویۃ میں بروایت علی بن ابی اطاة۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :
 إِنَّ لِلَّهِ الْمَلَائِكَةَ تَرْعِدُ فَرَأَتْهُمْ مِنْ خِفَاتِهِ مَا مِنْهُمْ مِنْ مَلِكٍ
 يَقْطُرُ مِنْ عَيْنٍ دَمْعًا إِلَّا وَقَعَتْ مَلَكًا قَائِمًا يَسْبَحُ الْحَدِيثَ -
 اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں۔ کہ خوف الہی سے ان کا بند بند لرزتا ہے۔ ان میں سے جس فرشتے کی آنکھ سے جو آنسو ٹپکتا ہے۔ وہ گرتے گرتے فرشتہ ہو جاتا ہے۔ کہ کھڑا ہو کر رب العزت جل جلالہ کی تسبیح کرتا ہے۔

ابو الیشیح کعب احبار سے اس کے قریب راوی کہ :

لَا تَقْطُرُ عَيْنٌ مَلَكٍ مِنْهُمْ إِلَّا كَانَتْ مَلَكًا يَطْبُرُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ -

جبرائیل علیہ السلام۔ تمام فرشتوں میں چار فرشتے زیادہ مقرب قرار دیئے گئے ہیں۔ یہ چاروں

ان فرشتوں سے جس کی آنکھ سے کوئی بوند ٹپکتی ہے۔ وہ ایک فرشتہ ہو کر خوفِ خدا سے اڑ جاتی ہے۔

ابن بشکوال حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ حضور پر نور افضل صلوات اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ تَعْظِيمًا لِحَقِّي خَلَقَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذَلِكَ الْقَوْلِ مَلَكًا لَهُ
بِنَانٌ بِالْمَشْرِقِ وَآخَرٌ بِالْمَغْرِبِ يَقُولُ عَزَّوَجَلَّ لَهُ صَلَّى عَلَيَّ عَبْدِي كَمَا
صَلَّى عَلَيَّ نَبِيِّي فَهُوَ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

جو مجھ پر میرے حق کی تعظیم کے لئے درود بھیجے۔ اللہ تعالیٰ اس درود سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔
جس کا ایک پر مشرق اور دوسرا مغرب میں۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے۔ کہ درود بھیج میرے بند
پر جیسے اس نے درود بھیجا میرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر۔ پس وہ فرشتہ قیامت تک
اس پر درود بھیجتا رہتا ہے۔

وذكره أيضا ابنا سبعة و الفاكهاني۔

خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد اپنی کتاب مستطاب الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح میں
امام سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و
آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے۔ کہ اس کا ایک بازو مشرق میں ہے اور
دوسرا مغرب میں۔ جب کوئی شخص مجھ پر محبت کے ساتھ درود بھیجتا ہے۔ تو وہ فرشتہ پانی میں غوطہ
کھا کر اپنے پر جھاڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر قطرہ سے کہ اس کے پروں سے ٹپکتا ہے ایک فرشتہ پیدا
کرتا ہے۔ کہ قیامت تک درود پڑھنے والے کے لئے استغفار کرتے رہے۔

انتهی کلامہ الشریف قدس سرہ اللطیف۔

مواہب شریف میں ہے۔

قد روي ان ثم ملائكة يسبحون فيخلق الله بكل تسبيحة ملكا۔

مروی ہوا۔ کہ وہاں کچھ فرشتے ہیں۔ کہ تسبیح الہی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کی ہر تسبیح سے ایک

دنیا کے بڑے بڑے انتظامات پر مامور ہیں۔ ملک اور ملکوت کے اہم معاملات انہیں کے سپرد ہیں۔ ان فرشتے پیدا کرتا ہے۔

سیدی شیخ ابرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات کے باب ۲۹۶ میں فرماتے ہیں۔ کہ نیک کلام

اور اچھا کام فرشتہ بن کر آسمان کو بلند ہوتا ہے۔

ذَكَرَا عَنْهُ فِي الْمَبْحَثِ السَّابِعِ عَشَرَ مِنَ الْبَوَاقِيَّتِ -

ان کے نزدیک ایسے کریم الیہ یصعد الكلم الطيب والعمل الصالح يرفعه

کے یہ معنی ہیں۔

امام قرطبی تذکرہ میں علمائے کرام سے ناقل کہ جو شخص سورہ بقرہ آل عمران پڑھتا ہے۔ اللہ

عز وجل اس کے ثواب سے فرشتے بناتا ہے۔ کہ روز قیامت اس قاری کی طرف سے جھگڑیں گے۔

نَعَلَكُمْ عَنِ النَّعَاسِيِّ فِي مَطَالِعِ الْمَسْتَرَاتِ - ان کے نزدیک حدیث احمد و مسلم اقرؤا

الزُّهْرَاءِ بْنِ الْبَقْرَةَ وَالْإِمْرَانَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّكُمْ غَائِمَاتَانِ أَوْ

غَائِمَاتَانِ أَوْ كَأَنَّكُمْ قَرَفَانِ مِنَ الطَّيْرِ صَوَافٍ يُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا كَيْفَ مَعْنَى هُنَّ -

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرائے قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں

أَقْوَمَى الْمَلَائِكَةِ وَأَشَدُّهُمْ حَيَاءً مَنْ كَانَ مُخْلِقًا مِنَ أَنْعَاسِ النِّسَاءِ -

یعنی آدمیوں کے سانس سے فرشتے بنتے ہیں۔ اور ان میں قوی تر اور حیاء میں زائد وہ ہوتے ہیں جو

عورتوں کے سانس سے بنائے جاتے ہیں۔

مذکور بالا احادیث و اقوال جن میں آفرینش (پیدائش) ملائکہ کے متعدد طریقے مذکور ہوئے۔ ان

سے ثابت ہوا۔ کہ ان کی پیدائش روزانہ جاری ہے۔ ہر روز بے شمار بنتے ہیں۔ جن کی گنتی ان

کا بنانے والا ہی جانتا ہے۔

قُلْتُ اعْرَبُ الْقُلُتَانِي فَرَحَمَاتٍ مَلَائِكَةَ الْأَرْضِ وَالْجَوْهَرُ كَبَّةٌ مِنَ الطَّبَائِعِ

الْأَرْبَعِ وَأَشَارَاتٍ لَهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ مَا مَسْفُوحًا قَالَ فِي الْبَوَاقِيَّتِ قَالَ

بَعْضُهُمْ وَلَعَلَّ مَرَادَهُ بِهَذَا الْمَلَائِكَةَ الْقَاطِنِينَ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ نَوْمًا

مِنَ الْجِنِّ سَمَّاهُمْ مَلَائِكَةَ إِصْطِلَاحًا لِهَذَا - قُلْتُ وَمِثْلُهُ عَمَّا بَاعَنَ ابْنُ

میں جبرائیل علیہ السلام کے ذمہ علوم ربانی کا اقرار اور وحی الہی کا انبیاء کی طرف ترسیل ہے۔

عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَرِيبًا يَتَوَالِدُونَ يُقَالُ لَهُمُ
الْحِنُّ وَمِنْهُمْ إِبْلِيسُ كَمَا نَقَلْنَا فِي إِرْشَادِ السَّارِي وَأَنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ عَقِيدَةَ
أَهْلِ السُّنَّةِ فِي الْمَلَائِكَةِ تَنْزِلُهُمْ عَنِ الذِّكُورَةِ وَالْأُنْثَى فَانِ التَّوَالِدِ أَحْسَرُ
فَحَامِلُهُ هُوَ مَاتَرٌ مِنْ تَسْمِيَةِ بَعْضِ الْحِنِّ مَلَكًا وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔

رہا ان کی موت کا حال۔ امام ولی الدین عراقی سے اسئلہ مکہ میں اسی باب میں سوال ہوا جواب

فرمایا:

لَمْ يَثْبُتْ فِي ذَلِكَ شَيْءٌ وَلَا يَجُوزُ الْمَجُورُ عَلَيْهِ بِمَجْرَدِ الْإِحْتِمَالِ وَلَا بِحَالِ
لِلنَّظَرِ فِيهِ وَلَا دَخَلَ لِلْقِيَاسِ۔

اس باب میں کچھ ثابت نہ ہوا۔ اور محض احتمال سے اس پر جرات روا نہیں۔ نہ نظر کی یہاں گنجائش
نہ قیاس کا دخل۔

نَقَلَهُ الْعَلَامَةُ الْفَاسِي فِي مَطَالِعِ الْمَسْرَاتِ۔

بلکہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ تو انہیں مثل ارواح مانتے ہیں۔ کہ نہ تھے۔ مگر جب ہوئے تو ہمیشہ رہیں
گے۔ کہ ارواح کو کبھی موت نہیں۔ فتوحات شریف کے باب ۵۱۸ میں فرمایا:

إِنَّهُ لَيْسَ لِلْمَلَائِكَةِ آخِرَةٌ هُوَ ذَلِكَ أَنَّهُمْ لَا يَمُوتُونَ فَيُبْعَثُونَ وَإِنَّمَا هُوَ
صَعِقٌ وَرَافَقَةٌ كَالنَّوْمِ وَالْإِفَاقَةُ مِنْهُ عِنْدَنَا ذَلِكَ حَالٌ لَا يَزَالُ عَلَيْهِ الْمَلَكُ
فِي التَّجَلِّيِ الْإِجْمَالِي دُنْيَا وَآخِرَةَ الْخَلْقِ۔ نَقَلَهُ فِي الْبِوَاقِيَتِ وَالْجَوَاهِرِ۔

اقول شاید یہ مسئلہ تجسم و تجرد لٹکے پر مبنی ہو۔ جو انہیں نفوس مجرودہ مانتے ہیں۔ جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی
وغیرہ ان کے طور پر ملائکہ کے لئے موت نہ ہونی چاہیے۔ کہ روح کبھی نہیں مرتی۔ موت جسم کے
لئے ہے۔ یعنی روح کا اس سے جدا ہو جانا۔ اور ملائکہ کو اجسام لطیفہ کہتے ہیں جن سے نفوس
شریفہ متعلق ہیں۔ جیسا جمہور اہل سنت کا مسلک ہے۔ اور صداہا طور پر نفوس اسی طرف ناظران
کے نزدیک ملائکہ کو موت سے چارہ نہیں۔ اور یہی ظاہر مفاد آیت لوراجادیت تو اس میں بالتصريح وار
تو یہی صحیح و معتد ہے۔

میکائیل علیہ السلام - میکائیل علیہ السلام کے ذمہ تمام مخلوقات کو رزق کی بھم رسانی ہے۔

وَقَالَ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ -

ہر جان موت کا مزہ چکھے گی۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی - جب آیت کریمہ **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ** نازل ہوئی کہ جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔ ملائکہ بولے زمین والے مرے۔ یعنی ہم محفوظ ہیں۔ جب آیت کریمہ :

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط

نازل ہوئی کہ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ملائکہ نے کہا۔ اب ہم بھی مرے۔

ذَكَرَهُ الْإِمَامُ الرَّازِيُّ فِي مَعَانِيهِ الْغَيْبِ -

ابن جریر انیس سے راوی۔

قَالَ وَكُلُّ مَلِكٍ الْمَوْتِ بِقَبْضِ أَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةِ - الْحَدِيثُ

(یعنی ملک الموت مسلمانوں اور فرشتوں کی روح قبض کرنے پر مقرر ہیں)۔

نیز ابن جریر ابوالشیخ وغیرہما ایک حدیث طویل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

أَخْرَجَهُمْ مَوْتًا مَلِكُ الْمَوْتِ -

فرشتوں میں سب سے پیچھے ملک الموت مرے گا۔ یہ سنی و فریابی نے بروایت حضرت انس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں تفصیلاً ان کی کیفیت موت

روایت کی ہے۔ کہ جب سب فنا ہوں گے جبرائیل و میکائیل و ملک الموت باقی رہیں گے۔ رب

تبارک و تعالیٰ کہ وانا تر ہے۔ ارشاد فرمائے گا۔ اسے ملک الموت! اب کون باقی ہے ہر من

کریں گے۔

بَقِيَ وَجْهَكَ الْبَاقِيَ الدَّائِمَ وَعَبْدُكَ جَبْرَائِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَمَلِكُ الْمَوْتِ -

باقی ہے تیرا وہ جو کریم کہ ہمیشہ رہے گا۔ اور تیرے بندے جبرائیل و میکائیل و ملک الموت۔ حکم

ہوگا۔

رزق کی تقسیم و مقدار انہی کے پروردہ ہے۔

تعرّف نفس میکائیل۔

میکائیل کی روح قبض کر۔ وہ عظیم پہاڑ کی طرح گریں گے۔ پھر فرمائے گا۔ اور وہ خوب جانتا ہے۔
اب کون باقی ہے؟ عرض کریں گے :

وَجْهَكَ الْبَاقِيَ الْكَرِيمِ عَبْدُكَ جِبْرَائِيلُ وَمَلِكُ الْمَوْتِ۔

تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا۔ اور تیرے بندے جبرائیل و ملک الموت۔ فرمائے گا :

تعرّف نفس جبرائیل۔

جبرائیل کی روح قبض کر۔ وہ اپنے پر پھیر پھراتے ہوئے سجدے میں گر جائیں گے۔ پھر فرمائے
گا۔ اور وہ خوب جانتا ہے۔ اب کون رہا؟ عرض کریں گے۔

وَجْهَكَ الْكَرِيمِ وَعَبْدُكَ الْمَلِكُ الْمَوْتِ وَهُوَ حَيٌّ

تیرا وجہ کریم کہ ہمیشہ رہے گا۔ اور تیرا بندہ ملک الموت کہ وہ بھی مرے گا۔ فرمائے گا : مُتَّ

مرجا۔ وہ بھی مر جائیں گے۔ پھر فرمائے گا۔ ابتدا میں۔ میں نے خلق بنائی۔ اور میں پھر اسے زندہ

کروں گا۔ کہاں ہیں سلاطین مغرور جو ملک کا دعوائے کرتے تھے۔ کوئی جواب دینے والا نہ ہو

گا۔ خود فرمائے گا۔ رَبُّنَا الْوَاحِدِ الْقَهَّاسِ۔

آج بادشاہی ہے۔ اللہ غالب کی۔

صَلِّقْ مِنْهُمَا وَعِنْدَ الْقَرْنِ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مَوْتًا جِبْرَائِيلُ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔

اس حدیث سے ملائکہ مقربین کا روز قیامت تک زندہ رہنا معلوم ہی ہوا۔ اور سیدنا علی

مرضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے گذرا کہ یہ ہیشمار فرشتے جو روزانہ بنتے ہیں قیامت تک ملکہ کے

ساتھ اڑتے پھریں گے۔ اور حدیث میں گذرا۔ کہ یہ ستر ہزار فرشتے جو روز بنتے ہیں۔ قیامت

تک تسبیح الہی کرتے رہیں گے۔ وہ فرشتہ قیامت تک مصلیٰ (درود خواں) پر درود بھیجتا رہتا

ہے۔ روایت سخاوی میں گذرا۔ اس کے پُر کے قطروں سے جو فرشتے بنتے ہیں۔ قیامت تک

مصلیٰ (درود خواں) کے لئے استغفار کریں گے۔ ہر مسلمان کے ساتھ جو کراہا کاتبین ہیں۔ ان

کے لئے حدیث شریف میں آیا۔ مرگ مسلمان کے بعد آسمان پر جاتے اور وہاں رہنے کا اذن

اسرافیل علیہ السلام۔ اسرافیل علیہ السلام کے ذمہ صور کا پھونکنا ہے۔ یہ صور پہلی بار عالم کی

طلب کرتے ہیں۔ حکم ہوتا ہے۔ میرے آسمان میرے فرشتوں سے بھرے ہیں۔ کہ وہ میری
تسبیح کرتے ہیں۔ پھر عرض کرتے ہیں۔ تو ہمیں حکم ہو۔ کہ زمین میں رہیں۔ فرمان ہوتا ہے۔ میری
زمین مخلوق سے بھری ہے۔ کہ میری تسبیح کرتے ہیں :

وَلٰكِنْ قُوۡمًا عَلٰۤیٰ قَبْرِ عِبْدِیۡ قَسَبِحٰكُنِیۡ وَهَلٰلَاۤیۡنِیۡ وَكِبْرٰنِیۡ اِلٰی یَوْمِ
الْقِیَامَةِ وَاكْتَبَاۤءُ لِعِبْدِیۡ۔

مگر میرے بندے کی قبر پر کھڑے قیامت تک تسبیح و تہلیل و تکبیر کرو۔ اور اس کا ثواب میرے بندے
کے لئے لکھتے رہو۔

اَخْرَجَهُ ابُو تَعِيْمٍ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ وَابْنِ مَرْثَدَةَ فِي الْبَعْثِ وَابْنِ اَبِي
الدُّنْيَا عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا۔

اسی طرح اور احادیث بھی ہیں۔ ان حدیثوں سے بے شمار ملائکہ کا قیامت تک زندہ رہنا
ثابت اور اصلاً کسی حدیث سے یہ ثابت نہ ہوا۔ کہ کسی فرشتہ کو موت لاحق ہوئی ہو۔ بلکہ روایت
مذکورہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صاف ظاہر کہ نزول آیہ کریمہ :

كُلُّ نَفْسٍ ذٰۤاۤئِقَةُ الْمَوْتِ

تک فرشتے اپنی موت سے خبردار ہی نہ تھے کہ ہمیں بھی موت ہوگی۔ لہذا ظاہر یہی ہے۔ کہ ملائکہ
کے لئے قیامت سے پہلے موت نہیں۔ بلکہ جو میر نے اپنی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ
عنہما سے روایت کی۔ کہ انسان و جن و حیوانات کی موت بیان کر کے فرمایا :

وَالْمَلَائِكَةُ يَمُوْتُوْنَ فِي الصَّعْقَةِ الْاُولٰۤی وَلَاتَ مَلَكَ الْمَوْتِ يَقْبِضُ
اَرۡوَاحَهُمْ ثُمَّ يَمُوْتُ۔

فرشتے اس وقت مرے گے۔ جب پہلا صور پھونکا جائے گا۔ ملک الموت ان کی روح قبض
کریں گے۔ پھر وہ خود بھی مر جائیں گے۔ یہ حدیث مقصود میں نص تھی۔

لَوْ كَا مَافِي جَوِيۡرٍ مِّنۡ ضَعْفٍ قُوۡیۡ وَكَا جَوِيۡرٍ۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ۔

بعد ختم اس تحریر کے فتاویٰ حدیثیہ امام علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی میں آیا۔

ہلاکت کے لئے پھونکا جائے گا۔ دوسری بار اس کے پھونکنے سے مردے قبروں سے اٹھیں گے۔ اور

فتوے متعلق بملائکہ دوسرا متعلق بخور عین نظر فقیر سے گذرا۔ امام نے اس میں موت ملائکہ پر جمع نقل فرمایا:

حَيْثُ قَالَ أَمَا الْمَلَائِكَةُ فَيَمُوتُونَ بِالنُّصُوصِ وَالْإِجْمَاعِ وَيَتَوَلَّى قَبْضَ أَرْوَاحِهِمْ مَلَكُ الْمَوْتِ وَيَمُوتُ مَلَكُ الْمَوْتِ بِمَلَكِ الْمَوْتِ -

اور ان کے کام کا بھی ظاہر یہی ہے کہ موت ملائکہ نفع مصور سے ہوگی۔ سوا حاملان عرش و چار مقرب (فرشتوں) کے۔ کہ یہ اس کے بعد وفات پائیں گے۔

حَيْثُ قَالَ فِي الْفَتَاوَى التَّتَعَلَقَةَ بِالمَلَائِكَةِ بِالنَّفْعِ فِي الصُّورِ يَمُوتُونَ لِأَحْمَلَةِ الْعَرِشِ وَجِبْرِيلُ وَاسْمَافِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَمَلَكُ الْمَوْتِ ثُمَّ يَمُوتُونَ أَيْضًا ذَلِكَ -

اور بارہ آفرینش بھی اسی کا استظهار فرمایا کہ ملائکہ ایک ہی دفعہ نہ بنے۔ بلکہ ان کی پیش بدفعات ہے۔

حَيْثُ قَالَ ظَاهِرُ السُّنَنِ أَنَّ الْمَلَائِكَةَ لَمْ يُخْلَقُوا دَفْعَةً وَاحِدَةً -

ابوالشیخ وہب بن منبہ سے راوی:

قَالَ لِلَّهِ نَهْرٌ فِي السَّمَاءِ يَسِيرُ الْأَرْضِينَ كُلَّهَا سَبْعَ مَرَّاتٍ فَيَنْزِلُ عَلَى ذَلِكَ النَّهْرِ مَلَكٌ مِنَ السَّمَاءِ فَيَسْلُوهَا وَيَسُدُّ نَابِئِنِ اطْرَافِهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ فَإِذَا حَرَبَ مِنْهُ قَطْرَةٌ مِنْ قَطْرَاتٍ مِنْ نُورٍ فَيَخْلُقُ اللَّهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ مِنْهَا مَلَكًا يُسَبِّحُ لِلَّهِ بِجَمِيعِ تَسْبِيحِ الْخَلَائِقِ كُلِّهْمُ -

اللہ تعالیٰ و تبارک کی ایک نہر ہوا میں ہے۔ کہ سب زمینیں بلکرسات دفعہ اس میں سما جائیں۔ اس نہر پر آسمان سے ایک فرشتہ اترتا ہے۔ کہ اپنی جسامت سے اسے بھر دیتا ہے۔ اور اس کے سب کنارے بند کر دیتا ہے۔ پھر اس میں نہاتا ہے جب باہر آتا ہے۔ تو اس سے نور کی بوندیں نکلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ بناتا ہے۔ کہ تمام مخلوقات کی تسبیح کے برابر

میدان حشر میں حاضر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔

علاء بن ہارون سے راوی :

قَالَ لِحَبْرِيْلُ كُلُّ يَوْمٍ اِنْعَمَسَ فِي الْكُوْتُوْتِ ثُمَّ يَنْتَفِضُ فَكُلُّ قَطْرَةٍ يَخْلُقُ مِنْهَا مَلَكٌ

جبرائیل آمین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر روز کوثر میں ایک ڈبکی لگا کر پڑھاڑتے ہیں۔ ہر بوند سے ایک فرشتہ بنتا ہے۔ اس کے بعد بچہ اللہ ایک اور حدیث یاد آئی۔

ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ کتاب الثواب میں امام جعفر صادق اور اپنے والد ماجد۔ وہ اپنے جد امجد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی کہ حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔
مَا اَدْخَلَ رَجُلًا عَلٰی مُؤْمِنٍ سُرُوْرًا اِلَّا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذٰلِكَ السُّرُوْرِ مَلَكًا يُّعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَيُوْحِدُهٗ فَاِذَا صَارَ الْعَبْدُ فِي قَبْرِهٖ اَتَاكَ ذٰلِكَ السُّرُوْرُ الْحَدِيْثُ۔

جو کوئی شخص کسی مسلمان کو خوش کرے۔ اللہ عزوجل اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ کہ اللہ عزوجل کی عبادت و توحید کرتا رہتا ہے۔ جب وہ بندہ قبر میں جاتا ہے۔ یہ فرشتہ اس کے پاس آکر کتا ہے۔ کیا مجھے پہچانتا ہے۔ میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلان مسلمان کے دل میں داخل کی تھی۔ آج میں وحشت میں تیرے دل کو بہلاؤں گا۔ اور تیری محبت تجھے سکھاؤں گا۔ اور قول ایمان پر تجھے ثابت کروں گا۔ اور قیامت کے ہر مشہد میں میں تیرے ساتھ رہوں گا۔ اور اللہ عزوجل کے نزدیک تیری شفاعت کروں گا۔ اور جنت میں تیرا مکان تجھے دکھاؤں گا۔ عرض بڑی عظمت والا ہے۔ بادشاہ عرش عظیم کا رب ملک و روح کریم کا سب خلق سے چن لینے والا محمد رسول اللہ رزق و رحیم کا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ و بارک و کریم واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

عبدالمصطفیٰ احمد رضا خان قادری۔ ۷، رجب المرجب ۱۴۳۴ھ

مَا خُوذَ اِلَّا الْهَدٰیةُ الْمُبٰرَکَةُ فِیْ خَلْقِ الْمَلٰٓئِکَةِ

— عزرائیل علیہ السلام — عزرائیل علیہ السلام تمام عالم کی ارواح قبض کرنے کے مختار و مجاز ہیں۔ اکثر علماء کرام کی رائے ہے کہ جبرائیل علیہ السلام سب سے افضل ہیں۔ مگر بعض علماء ان چاروں کو ہم رتبہ قرار دیتے ہیں۔ ان چاروں کے علاوہ اور بھی بہت سے فرشتے مقرب اور عظیم الشان ہیں۔ ان میں آٹھ وہ فرشتے ہیں جنہوں نے عرش اٹھایا ہوا ہے۔ ان کی اجسام کی عظمت و قوت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ان کی کان کی لوسے سے لے کر کندھوں تک کا درمیانی فاصلہ دو سو برس کی راہ ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہ فاصلہ سات سو برس کے برابر ہے۔

— فرشتوں کے مقامات —

ہر ایک فرشتے کے لئے خداوند تعالیٰ کے نزدیک ایک مخصوص رتبہ و مقام ہے۔ وہ اس سے تجاوز و ترقی نہیں کرتے۔ جو کمال ان کے مناسب حال پر انہیں عطا کر دیا گیا ہے۔ ان میں تحصیل کمال کے ذوق و شوق کا کوئی دخل نہیں۔ جو چیز ان کے حق میں تو ناومی گئی ہے۔ وہ بالفعل نہیں ہے۔ کیونکہ شوق تو اس پر ہوتا ہے۔ جو حاصل نہ ہو۔ اور مفقود ہو۔ مگر ملائکہ کے ہاں تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے وہ حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ملائکہ عشق کی دولت سے محروم ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ فرشتوں کے ہاں خداوند تعالیٰ کی محبت اور معرفت نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تحصیل معرفت اور تلاش محبت کی کشمکش کے ذوق سے محروم ہیں۔

— اللہ کے اطاعت گزار —

فرشتے خدا کی نافرمانی نہیں کرتے۔ وہی کام کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہو۔ ابلیس کی نافرمانی کی وجہ ہے کہ وہ حقیقت میں فرشتہ نہیں تھا۔ بلکہ خلقی طور پر جن تھا۔ وہ عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں شمار کیا جانے لگا۔ انجام کار وہ اپنی فطرت سے نہ رہ سکا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ فرشتے اور جن پیدائشی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ کیونکہ آگ میں نور کی آمیزش بھی ہے۔ اور دھوئیں کی کثافت بھی۔ اگر آگ سے دھواں علیحدہ کر دیا جائے تو نور رہ جاتی ہے۔

— الہامی کتابیں —

اللہ تعالیٰ کی کتابیں بعض رسولوں پر نازل ہوئیں۔ اور تمام انسانوں کو ان کی اتباع کا حکم

ویا گیا۔ ان الہامی کتابوں کی تعداد ایک سو چار تک ہے۔ مگر ان میں چار کتابیں بڑی اور مشہور ہیں۔ تورات
آسمانی کتابوں میں سے ایک ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ تمام اسرائیلی اس کتاب
کے تابع ہیں۔ زبور دوسری بڑی آسمانی کتاب ہے۔ جو حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔ انجیل تیسری آسمانی
کتاب ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

ان تمام کتابوں میں اللہ۔ اس کے رسول۔ آپ کے صحابہ کا ذکر۔ احوال اور اوصاف درج ہیں۔
سابقہ انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کے پاکیزہ حالات۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب و محامد
ان کتابوں میں بھرے پڑے ہیں۔ پہلی امتیں آپ کے نام مبارک سے بارگاہِ الہی میں تقرب و توسل تلاش
کیا کرتی تھیں۔

— قرآن پاک —

قرآن پاک چوتھی آسمانی کتاب ہے۔ جو تمام الہامی کتابوں کا خلاصہ ہے۔ یہ حضرت محمد الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اعجاز نظم قرآن پاک کا خلاصہ ہے۔ جو دوسری کتب میں نہیں۔ (کوئی
انسان قرآن کی تین آیات کے برابر نہیں بنا سکتا) تورات ضخامت میں اتنی بڑی ہے۔ کہ سوائے پیغمبروں کے
اور کسی کو یاد نہیں۔ مگر قرآن پاک باوجود اختصار کے سب کتابوں سے اعظم و اکمل ہے۔

— متقین کی ہدایت —

قرآن پاک بلا شک و شبہ باعث ہدایت ہے۔ تمام آسمانی کتابیں اس حیثیت سے کہ کلامِ خداوندی
میں برابر ہیں۔ مگر کئی اور وجوہات کی بناء پر ایک دوسری سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ جس طرح انبیاء
کرام نفسِ نبوت میں ایک دوسرے کے برابر ہیں۔ اور لَا تَفْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ کی صحیح تصویر
ہیں۔ مگر مراتب میں بعض بعض سے افضل ہیں۔ اور نَزَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ کا عکس
جہیل ہیں۔

— اسمائے الہی —

اللہ کے نام توقیفی ہیں۔ یعنی سننے پر موقوف ہیں۔ اور شریعت میں منقول ہیں۔ پس جو نام شرعی اصطلاح
میں آگیا۔ اللہ اسی نام سے پکارا جائے گا۔ اپنی طرف سے اللہ کا نام بنانا۔ اور پکارنا خلاف شرع ہے۔
اگرچہ عقل کے نزدیک ایسے ناموں کا اطلاق کتنا ہی درست کیوں نہ ہو۔ اور ادبی لحاظ سے اس کے

معنی اللہ کے نام کے کتنے ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔ مگر ان عقلی اور ادبی اسماء کی شریعت میں کوئی وقعت نہیں۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کو نشانی کہہ سکتے ہیں بطیب نہیں کہہ سکتے۔ جو آد کہیں گے سخی نہیں۔ عالم کہیں گے عاقل نہیں کہیں گے۔ یاد رہے کہ ایسی ممانعت صرف علم رکھنے میں ہے۔ صفت بیان کرنے میں نہیں۔ کیونکہ نام کے بغیر کوئی دوسرا نام رکھنا تصرف ہے۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ نام میں تصرف کرے۔ یہ بیان تو محض صفاتی ناموں میں ہے۔ مگر اسمائے اعلام میں کلام نہیں ہے۔

کفار کی زبان پر اللہ کے اسماء سے خدا کو پکارنا نامناسب بات ہے۔ اس میں کفر کا خطرہ رہتا ہے۔

— ننانوے نام —

ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے۔ کہ اسمائے الہی صرف ننانوے ناموں پر منحصر نہیں۔ ہزاروں ایسے نام ہیں۔ جن سے خلقت واقف نہیں۔ شریعت کی اصطلاحات میں بھی صرف ننانوے ناموں کا تذکرہ آیا ہے۔ ان ناموں کی شہرت ایک خاص خاصیت کی بناء پر ہے۔ جو ان میں رکھی گئی ہے حدیث پاک میں ہے۔

إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا مِّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

اللہ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد رکھے گا۔ جنت میں جائے گا۔

اس کی مثال یوں بھی ہے۔ کہ میرے ہزار سوار ایسے ہیں۔ جو شخص ان سے مدد چاہے۔ وہ مدد کو پہنچیں گے۔ اور جہاں جاتے ہیں فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات لازم نہیں آتی۔ کہ بادشاہ کے پاس ہزار سواروں کے علاوہ اور کوئی سوار نہیں۔ بلکہ بادشاہ کے بے شمار سوار ہیں۔ مگر ہزار اس قسم کے ہیں۔ جن کی خاص خاص خاصیت ہے۔ اسی طرح اللہ کے ہزاروں ناموں کے باوجود یہ ننانوے نام اپنی خاصیت کے لحاظ سے جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا بھی خالق ہے۔ کفر اور گناہ بھی اسی کے علاوہ اور تقدیر سے ہیں۔ مگر وہ کفر اور گناہ پر رضامند نہیں ہے۔ جب یہ ثابت ہو گئی۔ کہ اللہ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اور گناہ و ثواب اسی کی پیدائش اور تقدیر ہے۔ افعال انسانی بھی دوسری اشیاء کی طرح مخلوق خداوندی ہیں۔ اور

حکم ہوتا ہے ۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ۔ غرضیکہ نیکی و بدی ، کفر اور ایمان ، طاعت و عیبیان اللہ تعالیٰ کے ارادہ ۔ حکم اور تقدیر سے صادر ہوتے ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ ایمان اطاعت اور نیکی سے تو راضی ہے ۔ مگر کفر و عیب سے ناراض ہے ۔

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۔

اللہ اپنے بندوں سے کفر کرنے پر راضی نہیں ہوتا ۔ کسی چیز کا چاہنا یا پیدا کرنا دوسری بات ہے ۔ مگر کسی بات پر راضی ہونا جدا بات ہے ۔ رضا اسی صورت میں ہوتی ہے ۔ کہ وہ حکم کرے کہ یوں کرو ۔ اگر ایسا بھی ہوتا ہے ۔ کسی حکمت کی وجہ سے حکم کرتا ہے ۔ لیکن اس کے واقع ہونیکو نہیں چاہتا ۔ اور اس کی حکمت اللہ کے بغیر کسی دوسرے کے علم میں نہیں ۔ اس کی مثال یوں سمجھئے ۔ کہ جیسے ایک مالک اپنے غلام کی نافرمانی اور گناہ کا اظہار کرنا چاہے ۔ غلام کو کسی کام کا حکم دے ۔ مگر یہ نہ چاہے کہ وہ یہ کام کرے ۔ تاکہ اس کا نافرمان ہونا سب پر واضح ہو جائے ۔ اس مقام پر امر و نہی کرنے میں حکمت اور فائدہ نہ ظاہر ہوا ۔ بندوں کی حقیقت جواز لی علم میں پوشیدہ ہے ۔ وہ کھل جائے اور یہ معلوم ہو جائے ۔ کہ کون کون مطیع فرمانبردار ہے ۔ اور کون کون فاسق و غیر فرمانبردار ہے ۔

— افعال اختیاری —

بندوں کے لئے بعض اختیاری افعال ہوتے ہیں جنہیں سرانجام دینے سے انہیں ثواب حاصل ہوتا ہے ۔ اور نہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے ۔ باوجودیکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اختیار میں ہے ۔ مگر پھر بھی بندے کو مختار بنایا ہے ۔ وہ ہر کام میں مجبور محض اور مضطر نہیں ہے ۔ ثواب و عذاب اسی اختیار پر منحصر ہے ۔ جو انسان کو حاصل ہے ۔

اس مسئلہ کو تفصیلی طور پر سمجھنے کے لئے یہ جاننا بہت ضروری ہے ۔ کہ جبر و اختیار کے معانی سمجھ

لئے جائیں ۔ آدمی سے جو کام صادر ہوتے ہیں ۔ اس کی دو قسمیں ہیں ۔

پہلے وہ کام جن کا تصور آتے ہی اگر اس کی طبیعت کے موافق ہو ۔ تو اس کے دل میں اس کام کے سرانجام دینے کی خواہش پیدا ہو ۔ اور اس خواہش کی تکمیل کے لئے قدم اٹھائے ۔ لیکن اگر وہ

چیز اس کی طبیعت کے خلاف ہو۔ اور اس کے دل میں نفرت و کراہت پیدا ہو۔ اور اس کے نہ کرنے کی کوشش کرے۔ حالانکہ اس کے کرنے اور نہ کرنے کی خواہش کے پیدا ہونے سے پہلے اس کا کرنا اور نہ کرنا برابر تھا۔ اور ممکن تھا اسے کرتا یا نہ کرتا۔ خواہ مرتبہ تصور میں جو فعل کے ساتھ قوت قریبہ ہے۔ با تصور سے ہے۔ جو مرتبہ فعل سے دور تر ہے۔ آدمی کی اس حرکت کو حرکت اختیار می کہتے ہیں۔ اور جو فعل اس حرکت پر مرتب ہو فعل اختیاری ہے۔

دوسری صورت یہ ہے۔ کہ کام سے پہلے اس کی خواہش و شوق پیدا ہی نہ ہو مگر خواہش کے بغیر ہی دوشتر وائے کی طرح کوئی حرکت صادر ہو جائے۔ ایسی حرکت کو جبری یا اضطراری کہتے ہیں۔ اندر میں حالات صورت اول کے سامنے اختیار سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اس قسم کے اختیار کا انکار ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کہنے لگے۔ کہ انسان کے کان اور آنکھ نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ انسان کی تمام حرکات اور افعال دوسری قسم یعنی تعیش کی طرح ہیں۔ یہ جس سے انکار کرتا ہے۔ جسے کوئی عاقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

یہ شبہ پیش آجاتا ہے۔ کہ انسان کے افعال علم الہی۔ ارادت ازلی۔ اور قضاء قدر کے موافق وجود میں آتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے ازل میں جانا اور چاہا کہ فلاں فعل فلاں انسان سے صادر ہو۔ ضرور وہ اس بندے سے ہوگا۔ خواہ بے اختیار ہو۔ جیسے حرکت اضطراری یا اختیار سے ہو۔ اگر فعل اختیاری ہے پس انسان کو ایسا فعل کرنے یا وجود میں لانے کا اختیار نہیں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کام خواہش اور تصور سے کیا جائے۔ وہ اختیار میں داخل ہوگا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے۔ کہ انسان کو اگرچہ فعل پر اختیار ہے۔ مگر اس کے مبادی میں یعنی جو موقوف علیہ ابتدائی اس کام کے ہیں۔ اختیار نہیں دیا۔ مثلاً اگر انسان کی آنکھیں کھلی ہوں۔ پھر نہ دیکھے۔ یہ اس کے اختیار میں نہیں۔ دیکھنے کے بعد اگر وہ شے مطلوب ہے۔ اس کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ شوق بڑھتا ہے۔ اس کام کی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ لازم ہے۔ اس طرح انسان کو اختیار ہے۔ اور اپنے اختیار میں اختیار نہیں رکھتا۔ آخر الامر وہی بات پائی جو علما کہتے ہیں۔

۱۰ بندہ اپنے فعل میں مختار ہے۔ مگر خود اختیار میں مجبور ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں۔

۱۰ اللہ عزوجل نے بندے بنائے۔ اور انہیں کان آنکھ ہاتھ پاؤں زبان وغیرہ آلات و جوارح

کہ ظاہر میں تو اختیار ہے۔ مگر باطن میں جبر۔ درحقیقت مسد اختیار و قضا و قدر اتنا پیچیدہ ہے۔ کہ عقل

عطا فرمائے۔ اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ الہام کیا۔ اور ان کے ارادے کا تابع و فرمانبردار
 کر دیا۔ کہ اپنے منافع حاصل کریں۔ اور مضر توں سے بچیں۔ پھر اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر یعنی
 عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا یا عقل کو ان امور کے ادراک
 کی طاقت بخشی تیر و شرف و نفع و ضرر۔ جو اس ظاہری نہ پہچان سکتے تھے۔ پھر اُسے بھی فقط اپنی سمجھ
 بر بے کس و بے یاور نہ چھوڑا، منور لاکھوں باتیں ہیں۔ جن کو عقل خود ادراک نہ کر سکتی تھی۔
 اور جن کا ادراک ممکن تھا۔ ان میں لغزش کرنے ٹھوکر کھانے سے پناہ کے لیے کوئی زبردست
 دامن ہاتھ میں نہ رکھتی تھی۔ لہذا انبیاء بھیج کر کتابیں اتار کر ذرا بات کا حسن و قبح خوب بتا
 کر اپنی نعمت تمام و کمال فرمادی۔ کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی۔

لَيْسَ لَكَ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ -

حق کا تو راستہ آفتاب سے زیادہ واضح ہو گیا۔ ہدایت و گمراہی پر کوئی پروہ نہ رہا۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّسُلُ مِنَ الْغَيِّ -

باہمہ کسی کا خالق ہونا یعنی ذات ہو یا صفت فعل ہو یا حالت کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال
 کر لباس وجود پہنا دینا یہ اسی کا کام ہے یہ نہ اس نے کسی کے اختیار میں دیا نہ کوئی اس کا
 اختیار پاسکتا ہے۔ کہ تمام مخلوقات خود اپنی حد ذات میں نیست ہیں۔ ایک نیست دوسرے
 کو کیا بہت بنا سکے۔ بہت بنانا اسی کی شان ہے۔ جو آپ اپنی ذات سے بہت حقیقی
 و بہت مطلق ہے۔ ہاں یہ اس نے اپنی رحمت اور اپنی غنائے مطلق سے عادات اجزائے
 کہ بندہ جس امر کی طرف قصد کرے۔ اپنے جوارح ادھر پھرے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے ارادہ سے
 اسے پیدا فرمادیتا ہے۔ مثلاً اس نے ہاتھ دئے ان میں پھیلنے، سمیٹنے، اٹھنے بھکنے کی قوت
 رکھی تلوار بنانی بتائی۔ اس میں دھار اور دھار میں کاٹ کی قوت رکھی۔ اس کا اٹھانا لگانا
 وار کرنا بتایا۔

دوست دشمن کی پہچان کو عقل بخشی۔ اُسے نیک و بد میں تمیز کی طاقت عطا کی۔

شریعت بھیج کر قس قس خود نا حق کی بھلائی برائی صاف بتادی۔ زید نے وہی خدا کی بتائی

اس عقدہ کو حل کرنے سے قاصر ہے۔ اور بجز عجز و سکوت کے کوئی چارہ کار نہیں۔ بات وہی ہے جو

ہوئی تلوار خدا کے بنائے ہوئے ہاتھ خدا کی دی ہوئی قوت سے اٹھانے کا قصد کیا۔ وہ خدا کے حکم سے اٹھ گئی۔ اور جھکا کر ولید کے جسم پر ضرب پہنچانے کا ارادہ کیا۔ وہ خدا کے حکم سے جھکی اور ولید کے جسم پر لگی تو یہ ضرب جن امور پر موقوف تھی۔ سب عطائے حق تھے اور خود جو ضرب واقع ہوئی۔ بارادہ خدا واقع ہوئی۔ اور اب جو اس ضرب سے ولید کی گردن کٹ جانا پیدا ہوگا۔ یہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگا۔ وہ نہ چاہتا تو ایک زید کیا تمام انس و جن و ملک جمع ہو کر تلوار پر زور کرتے تو اٹھنا درکنار ہر گرجنبش نہ کرتی۔ اور اس کے حکم سے اٹھنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو زمین آسمان پہاڑ سب ایک لنگر بنا کر تلوار کے پیچھے پر ڈال دیئے جاتے نام کو بال برابر نہ جھکتی۔ اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا۔ ولید کے جسم تک پہنچتی اور اس کے حکم سے جھکنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو محال تھا کہ ولید کے جسم تک پہنچتی اور اس کے حکم سے پہنچنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا۔ گردن کٹنا تو بڑی چیز ہے۔ ممکن نہ تھا کہ خط بھی آتا۔ لڑائیوں میں ہزاروں بار تجربہ ہو چکا کہ تلواریں پڑیں اور خراش تک نہ آئی۔ گولیاں لگیں اور جسم تک آتے آتے ٹھنڈی ہو گئیں۔ شام کو معرکہ سے پلٹنے کے بعد سپاہیوں کے سر کے بالوں میں سے گولیاں نکلی ہیں۔ تو زید سے جو کچھ واقع ہوا۔ سب خلق خدا و بارادہ خدا تھا۔ زید کا بیچ میں صرف اتنا کاہنہ تھا کہ اس نے قتل ولید کا ارادہ کیا۔ اور اس طرف اپنے جوارح آلات کو پھیرا اب اگر ولید شرعاً مستحق قتل ہے۔ تو زید پر کچھ الزام نہیں رہا۔ بلکہ بارہا ثواب عظیم کا مستحق ہو گا کہ اس نے اس چیز کا قصد کیا۔ اور اس طرف جوارح کو پھیرا۔ جسے اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی اپنا پسندیدہ کام ارشاد فرمایا تھا اور اگر قتل ناحق ہے۔ تو یقیناً زید پر الزام ہے۔ اور عذاب الیم کا مستحق ہوگا۔ کہ بغالفت حکم شرع اس شے کا عزم کیا اور اس طرف جوارح کو متوجہ کیا۔ جسے مولیٰ تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے واسطے اپنے غضب اپنی ناراضی کا حکم بتایا تھا۔ غرض فعل الصاف کے ارادہ سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ یہ نیکی کا ارادہ کرے۔ اور اپنے جوارح کو پھیرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی

قرآن پاک نے بیان فرمائی ہے۔ لَا يَسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ۔

رحمت سے نیکی پیدا کر دے گا۔ اور یہ بڑے کا ارادہ کرے۔ اور جو ارجح کو اس طرف پھیرے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی سے بدی کو موجود فرما دے گا۔ دو پیالیوں میں شہد اور زہر ہیں۔ یہ دونوں خود بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ شہد میں شفا اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اسی نے رکھا ہے۔ روشن دماغ حکیموں کو بھیج کر بتا بھی دیا ہے کہ دیکھو یہ شہد ہے اس کے یہ منافع ہیں۔ اور خبردار یہ زہر ہے۔ اس کے پینے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی یہ مبارک آوازیں تمام جہان میں گونجیں اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں۔ اس پر کچھ نے شہد کی پیالی اٹھا کر پی۔ اور کچھ نے زہر کی۔ ان اٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خدا ہی کے بنائے ہوئے تھے۔ اور ان میں پیالی اٹھانے منہ تک لے جانے کی قوت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی۔ منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کر کے اندر لینے کی طاقت اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اسی کے مخلوق تھے۔ اب شہد پینے والوں کے جوف میں شہد پہنچا۔ کیا وہ آپ اس کا نفع پیدا کر لیں گے۔ یا شہد بذات خود خالق نفع ہو جائے گا۔ حاشا ہرگز نہیں بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کی دست قدرت میں ہے۔ اور ہوگا تو اسی کے ارادہ سے ہوگا۔ وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے۔ کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے یونہی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جا کر کیا وہ آپ ضرر کی تخلیق کر لیں گے۔ یا زہر خود بخود خالق ضرر ہو جائے گا۔ حاشا ہرگز نہیں بلکہ یہ بھی اسی کے قبضہ اقتدار میں ہے۔ اور ہوگا تو اسی کے ارادہ سے ہوگا وہ نہ چاہے تو بیروں زہر کھا جائے اس کا بال باز کا نہ ہوگا۔ بلکہ وہ چاہے تو زہر شہد ہو کر لگے۔ بائینہم شہد پینے والے ضرور قابل تحسین و آفرین ہیں۔ ہر عاقل یہی کہے گا کہ انہوں نے اچھا کیا۔ ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ اور زہر پینے والے ضرور لائق سزا و نفرین ہیں۔ ہر ذمی ہوش یہی کہے گا کہ یہ بد بخت خود کشی کے مجرم ہیں۔ دیکھو اول سے آخر تک جو کچھ ہوا۔ سب اللہ ہی کے ارادے سے ہوا۔ اور جتنے آلات اس کام میں لیے گئے۔ سب اللہ ہی کے مخلوق تھے۔ اور اسی کے حکم سے انہوں نے کام دیئے جو تمام عقلا کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے۔

وہ مالک علی الاطلاق ہے۔ اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔ انسان سے تو پوچھا جاسکتا ہے۔ مگر

اور دوسرے کی خدمت تمام کچھریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں۔ ان زہر نوشوں کو مجرم بنائیں
گی۔ پھر کیوں بناتی ہیں۔ نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا۔ نہ زہر میں قوت ہلاک ان کی رکھی ہوئی۔ نہ
ہاتھ ان کا پیدا کیا ہوا۔ نہ اس کے بڑھانے اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی۔ نہ وہیں خلق
ان کے پیدا کیے ہوئے۔ نہ ان میں جذب و کشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی۔ نہ خلق سے
اتر جانا۔ ان کے ارادے سے ممکن تھا۔ آدمی پانی پیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ خلق سے اترے
مگر اچھو ہو کر نکل جاتا ہے۔ اس کا چاہنا نہیں چلتا۔ جب تک وہی نہ چاہے۔ جو صاحب
سارے جہان کا ہے۔ اب خلق سے اترنے کے بعد تو طاہری نگاہوں میں بھی پیسے واسے کا
اپنا کوئی کام نہیں۔ خون میں اس کا ملنا اور خون کا اسے لے کر دورہ کرنا اور دورہ میں قلب
تک پہنچنا اور وہاں جا کر اسے فاسد کر دینا یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادہ سے ہے۔ نہ اس
کی طاقت سے بہتر سے زہر پی کر نامدم ہوتے ہیں۔ پھر ہزار کوشش کرتے ہیں۔ جو ہوتی ہے۔
ہو کر رہتی ہے۔ اگر اس کے ارادہ سے ضرر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر باطل
ہو جانا لازم تھا۔ مگر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے۔ پھر اس سے کیوں باز
پرس ہوتی ہے۔ ہاں باز پرس کی وہی وجہ ہے کہ شد اور زہر اسے بتا دیئے تھے۔ عالی قدر
حکمائے عظام کی معرفت سب نفع نقصان جتا دیئے تھے۔ دست و وہاں و خلق اس کے
قابو میں کر دیئے تھے۔ دیکھنے کو آنکھ۔ سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی۔ یہی ہاتھ جس سے
اس نے زہر کی پیالی اٹھا کر جام شہد کی طرف بڑھانا اللہ تعالیٰ اسی کا اٹھنا پیدا کر دیتا
یہاں تک کہ سب کام اول تا آخر اسی کی خلق و مشیت سے واقع ہو کر اسے کے نفع کے
موجب ہوتے۔ مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ کاسہ زہر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے پینے
کا عزم لایا۔ وہ غنی بے نیاز دونوں جہان سے بے پرواہ ہے۔ وہاں تو حادثات جاری ہو رہی
ہے۔ کہ یہ قصد کرے اور وہ خلق فرما دے۔ اس نے اسی کا اٹھنا اور خلق سے اترنا دل تک
پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرما دیا۔ پھر یہ کیوں کر بے جرم قرار پا سکتا ہے۔ انسان میں یہ قصد
و ارادہ و اختیار ہونا ایسا واضح و روشن و بدیہی امر ہے۔ جس سے انکار نہیں کر سکتا مگر

مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال و جواب ایک رازِ سرِ لبستہ کو معلوم کرنے کے مترادف ہے۔

مجنون ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال کے حرکات ارادی میں ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لیے ہاتھ کو حرکت دینا اور وہ جنبش جو ہاتھ کو ریشہ سے جو ان میں صریح فرق ہے۔ ہر شخص واقف ہے کہ جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا ہے۔ اور اس کی طاقت ختم ہونے پر زمین پر گرتا ہے۔ ان دونوں حرکتوں میں تفرق ہے اوپر کودنا اپنے اختیار و ارادے سے تھا۔ اگر نہ چاہتا نہ کودتا اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمین پر آنا اپنے ارادے و اختیار سے نہیں۔ ولہذا اگر رکنا چاہے تو نہیں رک سکتا۔ بس یہی ارادہ یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے عقل کے ساتھ اس کا پایا جانا یہی مدار امر و منہی و جزا و سزا و ثواب و عقاب و پرسش و حساب ہے۔ اگرچہ بلاشبہ بلا ریب قطعاً یقیناً یہ ارادہ و اختیار بھی اللہ عزوجل ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جیسے انسان خود بھی اسی کا بنایا ہوا ہے۔ آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا۔ نہ اپنے لیے آنکھ کان ہاتھ پاؤں بان وغیرہ بنا سکتا تھا۔ یونہی اپنے لیے طاقت قوت ارادہ اختیار بھی نہیں بنا سکتا۔ سب کچھ اس نے دیا۔ اور اسی نے بنایا۔ مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ ہمارا ارادہ و اختیار بھی خدا ہی کا مخلوق ہے تو ہم پتھر ہو گئے۔ قابل سزا و جزا و باز پرس نہ رہے۔ کیسی سخت جہالت ہے۔ صاحبو! تم میں خدا نے کیا پیدا کیا ارادہ و اختیار۔ تو ان کے پیدا ہونے سے تم صاحب ارادہ صاحب اختیار ہو گئے یا مضطر مجبور ناچار صاحبو! تمہاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا یہ کہ وہ ارادہ و اختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی۔ عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے سے تمہاری حرکات کو پتھر کی حرکات سے ممتاز کر دیا۔ اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہو جانے کا سبب سمجھو۔ یہ کیسی الٹی مت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں۔ ان میں نور خلق کیا۔ اس سے ہم انکھیاں سے ہو گئے نہ کہ معاذ اللہ اندھے یونہی اس نے ہم میں ارادہ و اختیار پیدا کیا۔ اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہو گئے نہ کہ الٹے مجبور۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فرد اختیار بھی اسی کی خلق اسی

— مسئلہ جبر و قدر اور علمائے اہل سنت - حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو اہل

کی عطا ہے۔ ہماری اپنی ذات سے نہیں تو مختار کردہ ہوئے۔ خود مختار نہ ہوئے پھر اس میں کیا حرج ہے۔ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہو سکے۔ نہ جزا و نزا کے لیے خود مختار ہونا ہی ضرور ایک نوع اختیار چاہیے۔

کسی طرح ہو وہ ہدایت حاصل ہے۔ آدمی الصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر و مثال کافی ہے۔ شہد کی پیانی اطاعت الہی ہے اور زہر کا کاسہ اس کی نافرمانی اور وہ عالی شان حکما انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ہدایت اس شہد سے نفع پانا ہے۔ کہ اللہ ہی کے ارادہ سے ہوگا۔ اور ضلالت اس زہر کا ضرر پہنچنا کہ یہ بھی اسی کے ارادے سے ہوگا مگر اطاعت و اسے تعریف کیے جائیں گے۔ اور تہمید والے مذموم و ملزم ہو کر نزا پائیں گے پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے یَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ باقی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ. لَهُ الْحُكْمُ وَالْبَيْتُ يُرْجَعُونَ.

قرآن عظیم میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان اشخاص کو زیادہ ہدایت نہ کرو ہاں یہ ضرور فرمایا ہے۔ کہ ہدایت ضلالت سب اس کے ارادہ سے ہے۔ اس کا بیان بھی ہو چکا اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ واضح ہو گا نیز فرمایا ہے :

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ.

وہ جو علم الہی میں کافر ہیں۔ انہیں ایک سا ہے چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان کے لیے رحمت بھیجے گئے۔ جو کافر ایمان نہ لاتے ان کا سنایت غم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہوتا۔ یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے فرمایا :

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ آتَادِهِمْ إِنَّ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا.

شاید تم ان کے پیچھے اپنی جان پر کھیل جاؤ گے۔ اس غم میں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے۔ لہذا حضور کی تسکین خاطر اقدس کو یہ ارشاد ہوا۔ کہ جو ہمارے علم میں کفر پر مرنے والے ہیں۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) وہ کسی طرح ایمان نہ لائیں گے۔ تم اس کا غم نہ کرو۔ لہذا یہ فرمایا کہ تمہارا

طریقیت کا امام اور اہل حقیقت کا پیر مانا جاتا ہے۔ حضرت امام اس مسئلہ پر اپنی رائے کا ان الفاظ میں

سمجھانا نہ سمجھانا ان کو کیساں ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے حق میں کیساں ہے۔ کہ ہدایت معاً

اللہ امر فضول ٹھہرے۔ ہادی کا اجر اللہ پر ہے۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۚ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ - إِنَّ أَجْرِي
إِلَّا عَلَى اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

اللہ خوب جانتا ہے۔ اور آج سے نہیں ازل الازل سے کہ اتنے بندے ہدایت پائیں گے۔

اور اتنے چاہ ضلالت میں ڈوبیں گے۔ مگر کبھی اپنے رسولوں کو ہدایت سے منع نہیں فرماتا

کہ جو ہدایت پانے والے ہیں۔ ان کے لیے سبب ہدایت ہوں اور جو نہ پائیں گے۔ ان پر

حجت الہیہ قائم ہو۔ وَ لِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَاطِنَةُ - مروی ہے۔ جب سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ

والسلام کو مولیٰ عزوجل نے رسول کر کے فرعون کی طرف بھیجا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

چلے تو ندا ہوئی۔ مگر اے موسیٰ فرعون ایمان نہ لائے گا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دل

میں کہا پھر میرے جانے سے کیا فائدہ ہے۔ اس پر بارہ علمائے لٹلہ عظام علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے کہا۔ اے موسیٰ آپ کو جہاں کا حکم ہے جاسیے۔ یہ وہ راز ہے کہ باوصف کوشش آہستہ

ہم پر بھی نہ کھلا۔ ابن جریر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما بعث اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ

الصلوٰۃ والسلام الی فرعون نووی لمن یفعل فلم قال فساواہ اثنا عشرہ ملکاً من علماء الملئکۃ امض

لما دت بہ فانا جہدنا ان نعلم ہذا فلم نعلمہ اور آخر نفع بعثت سب نے دیکھ لیا کہ دشمنان خدا

ہلاک ہوئے۔ دوستان خدا نے ان کی غلامی ان کے عذاب سے نجات پائی۔ ایک جلسے

میں ستر ہزار ساحر سجدہ میں گر گئے۔ اور ایک زبان بولے :

أَمَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ دَيْتَ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ

ہم اس پر ایمان لائے۔ جو رب ہے سارے جہان کا رب ہے موسیٰ و ہارون کا۔ مولیٰ عزو

جل قادر تھا۔ اور ہے کہ بے کسی نبی و کتاب کے تمام جہان کو ایک آن میں ہدایت فرمائے۔

و كَوْنُ شَاءَ اللَّهُ بِحَمْمِهِمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ -

مگر اس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور ہر نعمت میں اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف

حصہ رکھا ہے۔ وہ چاہتا تو انسان وغیرہ جانداروں کو بھوک ہی نہ لگتی۔ یہ بھوکے ہوتے تو کسی کا صرف اس کے نام پاک لینے سے۔ کسی کا ہوا سونگھنے سے پیٹ بھر جاتا۔ زمین جوتنے سے روٹی پکانے تک جو سخت مشقتیں پڑتی ہیں کسی کو نہ ہوتیں۔ مگر اس نے یونہی چاہا۔ اور اس میں بھی بے شمار اختلاف رکھا۔ کسی کو اتنا دیا کہ لاکھوں پیٹ اس کے در سے پتے ہیں اور کسی پر اس کے اہل و عیال کے ساتھ تین تین فاقے گزرتے ہیں۔ غرض ہر چیز میں :

اَللّٰهُ يَقْسِمُكَ رَحْمَةً رَّحِيمًا فَخَنَّا قَسَمَنَا بَيْنَهُمْ۔

کی نیزنگیاں ہیں۔ احمق بد عقل یا اہل بد دین وہ جو اس کے ناموس میں چون و چرا کرے۔ کہ یوں کیوں کیا۔ یوں کیوں نہ کیا سنتا ہے اس کی شان ہے **يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ۔** اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔ اس کی شان ہے : **اِنَّ اللّٰهَ يَخْتَكُم مَّا يَرِيْدُ۔**

وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور سب سے سوال ہو گا۔ زید نے روپیہ کی ہزار اینٹیں خریدیں۔ پانچ سو مسجد میں لگائیں۔ پانسو پانچاں کی زمین اور قد چوں میں کیا اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ایک ہاتھ کی بنائی ہوئی ایک مٹی سے بنی ہوئی ایک آوے سے پکی ہوئی ایک روپیہ کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں۔ ان پانسویں کیا خوبی تھی۔ کہ مسجد میں صرف کہیں اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نجاست میں رکھیں۔ اگر کوئی احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میری ملک تھی۔ میں نے جو چاہا کیا۔ جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال ہے تو حقیقی بھی ملک کا کیا پوچھنا۔ ہمارا اور ہماری جان و مال اور تمام جہان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا مالک ہے۔ اس کے کام اس کے احکام میں کسی کو مجال دم زدوں کیا معنی۔ کیا کوئی اس کا ہمسرا اس پر افسر ہے۔ جو اس سے کیوں اور کیا کہے مالک علی الاطلاق ہے بے اشتراک ہے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔

ذیل فقیر بے حیثیت حقیر اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اس کا سر کھجایا ہے۔ شامت نے گھیرا ہے۔ اس سے ہر عاقل یہی کہے گا کہ او بد عقل بے ادب اپنی حد پر رہ۔ جب یقیناً معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمیع کمال صفات میں کیتا۔ وکامل ہے۔ تو تجھے اس

لَا جَبْرَ وَلَا قَدْرَ وَلَكِنَّ أَمْرًا بَيْنَ أَمْثَلَيْنِ - جبر و قدر کوئی چیز نہیں۔ بلکہ ان دونوں کے مابین ہی

کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال ہے

گدائے گوشہ نشینی تو حفا فظا مخروش

رموز مملکت خویش خسرواں دانند

افسوس کہ دنیوی مجازی جھوٹے بادشاہوں کی نسبت تو آدمی کو یہ خیال ہو۔ اور ملک الملوک بادشاہ حقیقی جل جلالہ کے احکام میں رائے زنی کرے۔ سلاطین تو سلاطین اپنا برابر بلکہ اپنے سے بھی کم رتبہ شخص بلکہ اپنا نوکریا غلام جب کسی صفت کا استاد ماہر ہو اور خود یہ شخص اس سے آگاہ نہیں تو اس کے اکثر کاموں کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا۔ کہ یہ اتنا ادراک ہی نہیں رکھتا۔ مگر عقل سے حصہ ہے تو اس پر معترض بھی نہ ہوگا۔ جان لے گا کہ یہ اس کام کا استاد و حکیم ہے۔ میرا خیال وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ عرض اپنی فہم کو قاصر جانے گا۔ نہ کہ اس کی حکمت کو پھر رب الارباب حکیم حقیقی عالم السر والخفی عز جلالہ کے ارادے میں خوض کرنا اور جو سمجھ میں نہ آئے۔ اس پر معترض ہونا اگر بیدینی نہیں جنون ہے۔ اگر جنون نہیں بے دینی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللَّهِ سَرِيحُ الْعَالَمِينَ - اے عزیز کسی بات کو حق جاننے کے لیے اس کی حقیقت جاننی لازم نہیں ہوتی۔ دنیا جانتی ہے۔

کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور مقناطیسی قوت دیا ہوا لوہا ستارہ قطب کی طرف توجہ کرتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت و کنہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ اس خاکی لوہے اور اس افلاکی ستلے میں کہ یہاں سے کروڑوں میل دور ہے باہم کیا الفت اور کیونکہ اسے اس کی جہت کا شعور ہے اور ایک ہی نہیں عالم میں ہزاروں ایسے عجائب ہیں کہ بڑے بڑے فلاسف خاک چھان کر مر گئے اور ان کی کنہ نہ پائی۔ پھر اس سے ان باتوں کا انکار نہیں ہو سکتا۔ آدمی اپنی جان ہی کو بتائے وہ کیا شے ہے۔ جسے یہ (میں) کہتا ہے۔ اور کیا چیز جب نکل جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر بے حس و حرکت رہ جاتا ہے۔ اللہ جل جلالہ فرقان حکیم میں فرماتا ہے :

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ -

تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ رب سارے جہان کا اور فرماتا ہے : هَلْ مِنْ خَالِقٍ

غیر اللہ کیا اور بھی کسی چیز کا خالق ہے۔ سوا اللہ کے اور فرماتا ہے لہ الخیرۃ۔ اختیار خاص اسی کو ہے اور فرماتا ہے۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقِ وَ اَلَا مَرْتَبًا لَہُ اللّٰہُ سَرَبَ الْعٰلَمِیْنَ۔ سنتے ہو پیدا کرنا اور حکم دینا خاص اسی کے لیے ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ مالک سارے جہان کا۔ یہ آیات کریمہ صاف ارشاد فرما رہی ہیں۔ کہ پیدا کرنا عدم سے وجود میں لانا خاص اسی کا کام ہے۔ دوسرے کو اس میں اصلاً شرکت نہیں۔ نیز اصل اختیار اسی کا ہے۔ نیز بے اس کی مشیت کے کسی کی مشیت نہیں ہو سکتی اور وہی مالک و مولیٰ جل جلالہ اسی قرآن پاک میں فرماتا ہے :

ذٰلِكَ جَزَیْنٰہُمْ بِبِعْیِہِمۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلہ انہیں دیا اور بے شک بالیقین ہم سچے ہیں۔ اور فرماتا ہے۔

وَمَا ظَلَمْنٰہُمْ وَاٰلِکٰنَ کٰذِبِیْنَ ۝ اَنۡفُسَہُمۡ یَظَلِمُوْنَ ۝

ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اور فرماتا ہے۔

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّہٗ یَبۡصُرُ ۝

جو تمہارا جی چاہے کیے جاؤ۔ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے اور فرماتا ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ شِئَا فلیُؤْمِنُوْا وَ مَنْ شِئَا فلیُکْفِرُوْا اِنَّا اَعۡتَدْنَا لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا اَحَاطَ بِہِمۡ سُرٰدِقُہَا ۝

اے نبی تم فرما دو کہ حق تمہارے رب کے پاس ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ بے شک ہم نے ظالموں کے لیے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کے سراپہ وے انہیں گھیرینگے۔ ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی۔ اور فرماتا ہے۔

قَالَ قَدِیۡنَہٗ رَبَّنَا مَا اَطَعِیۡتَہٗ وَاٰلِکٰنَ کٰذِبِیۡنَ ۝ قَالَ لَا تَخۡتَصِمُوْا لَدَیّٰ وَ قَدۡ قَدَّمْتُ اِلَیۡکُمۡ بِالْوَعِیۡدِ ۝ مَا یَبۡدُلُ الْقَوْلُ لَدَیّٰ وَ مَا اَنَاۡ بِظَلٰمٍ لِّلۡعٰبِیۡدِ ۝

کافر کا ساتھی شیطان لولا۔ اے رب ہمارے میں نے اسے سرکش نہ کر دیا تھا۔ یہ آپ ہی

فرقہ جبر یہ کامسک جبر ہے۔ ان کے ہاں انسان کو کسی فعل کا اختیار نہیں۔ اس کی ساری
دور کی گمراہی میں تھا۔ رب جل جلالہ نے فرمایا۔

میرے حضور فضول جھگڑانہ کرو۔ میں تو تمہیں پہلے ہی سزا کا ڈر سنا چکا تھا۔ میرے یہاں
بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں۔ یہ آیتیں صاف ارشاد فرما رہی ہیں کہ
بندہ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ وہ اپنی ہی کرنی بھرتا ہے۔ وہ ایک حرام کا اختیار و
ارادہ ضرور رکھتا ہے۔ اب دونوں قسم کی سب آیتیں قطعاً مسلمان کا ایمان ہیں۔ بے شبہ
بندہ کے افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے۔ بیشک بندہ بے ارادہ الہیہ کچھ نہیں کر سکتا
اور بیشک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، اور بیشک وہ اپنی ہی بد عملیوں کے سبب
سختی سزا ہے۔ یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں مگر یونہی کہ عقیدہ اہل سنت و جماعت پر ایمان
وہ جو اہل سنت کے سردار و مولیٰ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے انہیں
تعلیم فرمایا۔ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں بطریق امام شافعی عن یحییٰ بن سلیم امام جعفر صادق سے
وہ حضرت امام باقر و حضرت عبداللہ بن جعفر طیار و وہ امیر المؤمنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ
عنہم سے راوی۔

انه اخطب الناس يوماً (فذكر خطبة ثم قال) فقام اليه رجل
فمن كان شهيداً معه الجمل فقال يا امير المؤمنين اخبرنا عن
القدس فقال بجر عيتق فلا تلجه قال يا امير المؤمنين اخبرنا
عن القدس قال سر الله فلا متكلفه قال يا امير المؤمنين اخبرنا
عن القدس قال اما اذا ابيت فانه امر بين امرين لا جبر ولا
تفويض قال يا امير المؤمنين ان فلانا يقول بالاستطاعة
وهو حاضر فقال علي به فاقاموه فلما رآه سل سيفه قد رابع
اصابع فقال الاستطاعة تملكها مع الله اذ من دون الله واياك
ان تقول احدهما فتتردد فاضرب عنقك قال فما اقول يا امير
المؤمنين قال املكها يا لله الذي ان شاء ملكنيها۔

حرکات جمادات کی طرح ہیں۔ فرقہ قدریہ قدرت انسانی پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کلی طور پر

یعنی ایک دن امیر المومنین خطبہ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے کہ واقعہ محل میں امیر المومنین کے ساتھ تھے۔ کھڑے ہو کر عرض کی یا امیر المومنین ہمیں مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے۔ فرمایا گمراہ اور یہ ہے۔ اس میں قدم نہ رکھ۔ عرض کی یا امیر المومنین ہمیں خبر دیجئے۔ فرمایا اللہ کا راز ہے۔ زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا۔ عرض کی یا امیر المومنین ہمیں خبر دیجئے۔ فرمایا اگر نہیں مانتا تو ایک امر ہے دو امروں کے درمیان نہ آدمی مجبور محض ہے۔ نہ اختیار سے سپرد ہے۔ عرض کی یا امیر المومنین فلاں شخص کتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ حضور میں حاضر ہے۔

مولیٰ علی نے فرمایا۔ میرے سامنے لاؤ۔ لوگوں نے اسے کھڑا کیا۔ جب امیر المومنین نے دیکھا۔ تیغ مبارک چار انگل کے قدر نکال لی اور فرمایا کام کی قدرت کا تو خدا کے ساتھ مالک ہے یا خدا سے جدا مالک ہے۔ اور مستجاب ہے۔ خبردار ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہو جائے گا۔ اور میں تیری گردن مار دوں گا۔ اس نے کہا یا امیر المومنین پھر میں کیا کموں۔ فرمایا یوں کہ اس خدا کے دینے سے اختیار رکھتا ہوں۔ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے۔ بے اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں۔ بس یہی عقیدہ اہل سنت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے۔ نہ خود مختار بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے۔ جس کی کنہ راز خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے۔ اللہ عزوجل کی بے شمار رضائیں امیر المومنین مولیٰ علی پر نازل ہوں۔ کہ ان دونوں الجھنوں کو دو فقروں میں صاف فرما دیا۔ ایک صاحب نے اسی بار سے میں سوال کیا کہ کیا معاصی بھی بے ارادۃ الیہ واقع نہیں ہوتے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرے گا۔ فرمایا ان معصی قہر یعنی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو مگر اس نے کر ہی لیا۔ تو اس کا ارادہ زبردست پڑا۔ معاذ اللہ خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا کہ وہ ڈاکوؤں چوروں کا ہتھیار بند و بست کریں۔ پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کر ہی گزرتے ہیں۔ حاشا وہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی قادر مطلق ہرگز ایسا نہیں کہ اس کے ملک میں بے اس کے حکم کے ایک ذرہ جنبش کر سکے۔ وہ صاحب کہتے ہیں تکاننا القمینی ججوا مولیٰ علی نے یہ جواب دے کر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہنے بن ہی نہ پڑا۔

مختار افعال و اعمال ہے۔ حتیٰ کہ ان کے ہاں انسان اپنے افعال کا خالق ہے۔ حضرت امام جعفر رضی اللہ

عمر دین عبید معترنی کہ بندے کے افعال خدا کے ارادہ سے نہ جانتا تھا۔ خود کہتا ہے۔
کہ مجھے کسی نے ایسا الزام نہ دیا جیسا ایک مجوسی نے دیا جو میرے ساتھ جہاز میں تھا۔ میں
نے کہا تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا۔ کہا خدا نہیں چاہتا۔ میں نے کہا خدا تو چاہتا ہے مگر
شیطان تجھے نہیں چھوڑتا۔ بولا تو میں شریک غالب کے ساتھ ہوں۔ اسی ناپاک شفاعت
کے رو کی طرف مولیٰ علی نے اشارہ فرمایا کہ وہ نہ چاہے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت
کرے گا۔ باقی رہا اس مجوسی کا عذر وہ بعینہ ایسا ہے کہ کوئی بھوکا ہے۔ بھوک سے دم
نکلا جاتا ہے۔ کھانا سامنے رکھا ہے۔ اور نہیں کھاتا کہ خدا کا ارادہ نہیں۔ اس کا ارادہ ہوتا
تو میں ضرور کھا لیتا۔ اس احمق سے یہی کہا جائے گا کہ خدا کا ارادہ نہ ہوتا تو نے کاہے سے
جاتا۔ اسی سے کہ تو نہیں کھاتا۔ تو کھانے کا قصد تو کر دیکھ تو ارادہ الیہ سے کھانا ہو جائے
گا۔ ایسی اوندھی مت اسی کو آتی ہے جس پر موت سوار ہے۔ عرض مولیٰ علی نے یہ تو اس کا
فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے بے ارادہ الیہ نہیں ہو سکتا۔ دوسری بات کہ سزا و جزا کیوں ہے؟

اس کا یوں فیصلہ ارشاد ہوا۔ ابن ابی حاتم و اصہبانی و الامکالی و خلعی حضرت امام جعفر
صادق اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں :-

قال قيل لعلي بن ابي طالب ان ههنا رجلا يتكلم في المشيخة فقال
يا عبد الله خلقك الله لما شاء اولما شئت ؟ قال لما شاء قال
فيمرضك اذا شاء او اذا شئت ؟ قال بل اذا شاء . قال فميتك اذا
شاء او اذا شئت ؟ قال اذا شاء . قال فيد خلك حيث شاء او حيث
شئت ؟ قال حيث شاء . قال والله لو قلت غير هذا لضربت الذي
فيه عينك بالسيف . ثم تلا على فما تشاء ون الا ان يشاء الله هو
اهل التقوى واهل المغفرة .

مولیٰ علی سے عرض کی گئی کہ یہاں ایک شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا ہے
خدا کے بندے خدا نے تجھے اس لیے پیدا کیا۔ جس لیے اس نے چاہا یا اس لیے جس

عنه فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نظریات باطل ہیں۔ اور افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ سچا مذہب تو ان کے

یہ تو نے چاہا۔ کہا جس لیے اس نے چاہا۔ فرمایا تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے یا جب
تو چاہے۔ کہا بلکہ جب وہ چاہے۔ فرمایا تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے۔
یا جب تو چاہے۔ کہا جب وہ چاہے۔ فرمایا تو تجھے وہاں بھیجے گا جہاں وہ چاہے یا جہاں تو
چاہے۔ کہا جہاں وہ چاہے۔ فرمایا خدا کی قسم تو اس کے سوا کچھ اور کہتا تو یہ جس میں تیری
آنکھیں ہیں۔ یعنی تیرا سر تلوار سے مار دیتا۔ پھر مولیٰ علی نے یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی۔
”اور تم کیا چاہو۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے وہ تقویٰ کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے۔“
خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا۔ بھیجتے
وقت بھی نہ لے گا۔ تمام عالم اس کی ملک ہے اور مالک سے دربارہ ملک سوال نہیں ہو
سکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی۔ ایک شخص نے آکر امیر المومنین مولیٰ
علی سے عرض کی۔ یا امیر المومنین مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے۔ فرمایا اللہ کا راز ہے۔ تجھ پر
پوشیدہ ہے۔ اُسے نہ کھول عرض کی یا امیر المومنین مجھے خبر دیجئے! فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ خَالِقُكَ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ؟

اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ جیسا اس نے چاہا یا جیسا تو نے چاہا۔ عرض کی جیسا اس نے چاہا
فرمایا:

فَيَسْتَعْمِلُكَ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ؟

تو تجھ سے کام ویسا لے گا۔ جیسا وہ چاہے یا جیسا تو چاہے۔ عرض کی جیسا وہ چاہے فرمایا۔
فَيَبْعَثُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا شَاءَ أَوْ كَمَا شِئْتَ؟

تجھے قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے۔ اٹھائے گا یا جس طرح تو چاہے۔ کہا جس طرح وہ
چاہے۔ فرمایا:

أَيُّهَا السَّائِلُ تَقُولُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

اے سائل تو کہتا ہے کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے۔ مگر کس کی ذات سے کہا۔ اللہ علیٰ عظیم

ماہین اور وسط جبر و قدر ہے۔

کی ذات ہے۔ فرمایا تو اس کی تفسیر جانتا ہے۔ عرض کی امیر المؤمنین کو جو علم اللہ نے دیا ہے۔ اس سے مجھے تعلیم فرمائیں۔ فرمایا:

أَنَّ تَفْسِيرَهَا لَا يَقْدِرُ عَلَى طَاعَةِ اللَّهِ وَلَا يَكُونُ قُوَّةً فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ فِي الْآخِرِينَ جَمِيعًا إِلَّا بِاللَّهِ -

اس کی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت نہ معصیت کی قوت۔ دونوں اللہ ہی کے دیے سے ہیں۔ پھر فرمایا۔

أَيُّهَا السَّائِلُ أَلَيْسَ مَعَكَ اللَّهُ مَشِيئَةً أَوْ دُونَ اللَّهِ مَشِيئَةً فَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَكَ اللَّهُ مَشِيئَةً فَقَدْ انْتَقَيْتَ بِهَا عَنْ مَشِيئَةِ اللَّهِ وَإِنْ زَعَمْتَ أَنَّ لَكَ قُوَّةً فَوْقَ اللَّهِ مَشِيئَةً فَقَدْ ادَّعَيْتَ مَعَ اللَّهِ شَيْئًا كَأَنَّ مَشِيئَتَهُ -

اے سائل تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے۔ یا بے خدا کے۔ اگر تو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے۔ تو تو نے ارادہ الہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی جو چاہے خود اپنے ارادہ سے کرے گا خدا چاہے یا نہ چاہے۔ اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے۔ تو تو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر فرمایا:

أَيُّهَا السَّائِلُ اللَّهُ يَشْفِي وَيُدَاوِي فَبِنُورِ الدَّاءِ وَمِنْهُ الدَّاءُ عَقَلْتَ عَنِ اللَّهِ أَهْرًا -

اے سائل بے شک اللہ زخم پہنچاتا ہے اور اللہ ہی دوا دیتا ہے۔ تو اسی سے مرض ہے۔ اور اسی سے دوا۔ کیوں تو نے اب تو اللہ کا حکم سمجھ لیا۔ اس نے عرض کی ہاں۔ حاضرین سے فرمایا:

الآن أسلم أخوكم فقوموا فصافحوا -

اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا۔ کھڑے ہو اس سے مصافحہ کرو۔ پھر فرمایا۔

لوان عندی رجلا من القدریة لاخذ برقبته ثم لا ازال اخذها حتى

عقل اس توسط کی حقیقت کے دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ فی الحقیقت یہ حیرانی

اقتطعها فانهم يهود هذه الامة ونصاراها و مجوسها۔

اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا خالق جانتا تقدیر الہی سے وقوع اطاعت و معصیت کا انکار کرتا ہو تو میں اس کی گردن پکڑ کر دبوچتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں۔ اس لیے کہ وہ اس امت کے یہودی و نصرانی و مجوسی ہیں۔ یہودی اس لیے فرمایا کہ ان پر خدا کا غضب ہے اور یہود مغضوب علیہم ہیں۔ اور نصرانی و مجوسی اس لیے فرمایا کہ نصرانی تین خدا مانتے ہیں۔ مجوسی یزدان و اہرمن دو خالق جانتے ہیں۔ یہ بے شمار خالقوں پر ایمان لارہے ہیں۔ کہ ہر جن و انس کو اپنے اپنے افعال کا خالق گا رہے ہیں۔

والعیاذ باللہ رب العالمین۔

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ کافی ودافی و صافی و شافی جس سے ہدایت والے ہدایت پائیں گے اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ ولله الحمد واللہ سبحنو
تعالیٰ اعلم۔

ماخوذ۔ تلخ الصدور و ایمان القدر

اور عجزان لوگوں کے لیے اور مشکلات پیدا کر دیتی ہے جو بحث و جدال سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ عقل سے عقائد کو حل کرنا چاہتے ہیں اور جو چیزیں ان کی عقل و خرد میں نہیں آتیں۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ لیکن اہل ایمان کے لیے تو آخری اور قطعی دلیل کلام الہی ہوتی ہے۔ جس میں ہر بات موجود ہے کہ تمام امور خدا کی قدرت اور ارادہ سے ہوتے ہیں باوجودیکہ کہ طاعات و معاصی کی نسبت بندوں کی طرف کر دی جاتی ہے۔

— بندوں کے افعال —

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ .

خدا ان پر ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَاللَّهُ سَخَّرَ لَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ .

اللہ نے تم کو پیدا کیا۔ اور ان تمام کاموں کو بھی جنہیں تم کرتے ہو۔

ان دونوں آیات میں اعمال کے پیدا کرنے کو اپنی طرف منسوب کیا۔ مگر عمل کے

ارتکاب کو اپنے بندوں سے نسبت دی ہے۔ ایمانی نقطہ نظر سے یہ دونوں باتیں درست ہیں اور یہ بات کتنی درست ہے کہ اللہ ایک چیز کا خالق ضرور ہے۔ مگر اسے کرنا انسان سے ہی وابستہ ہے اس دلیل کے باوجود بھی اس بحر عمیق کی حقیقت و کنہ ہمارے علم سے باہر ہے۔

دوسری یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ شریعت اور امر و نہی کا ثبوت اختیار سے

ہی ہے۔ لہذا اختیار کا قابل ہونا بڑا ضروری ہے۔ اور اس مسئلہ کو بھی شارع علیہ السلام سے

معلوم ہوا ہے۔ جب دونوں نظریات شرع سے حل ہوتے ہیں۔ تو پھر نزاع و جدال کی کوئی صورت

نہیں رہتی۔ دونوں پر ایمان لانا بڑا ضروری ہے۔

— قضا و قدر پر ایمان

امر متوسط پر ہی اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ فی الحقیقت اس مسئلہ پر غور کرنا اور اس کو

عقلی قوت سے حل کرنے کی کوشش کرنا جہالت و گمراہی کی علامت ہے۔ اور کوئی حقیقت موقوف

نہیں۔ ہمارے لیے تو بس عمل کرنا ضروری ہے۔ باقی حقیقت حال کا جاننے والا اللہ ہے۔

إِعْمَلُوا فِكْرًا مَبِيسَّرًا لِمَا خُلِقَ لَهُ۔

عمل کرو۔ ہر شخص اس کام کیلئے آسانی میں رکھا گیا ہے جس کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔
اگر شارع علیہ السلام سے سننے کے بعد تردد اور قلبی نعلجان بھی باقی رہے تو اس سے بہتر کسی
اور دین و مشرب کی تلاش کرنا چاہیے۔ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ) ایمان کی حقیقت بس اسی میں
ہے۔ جب شارع علیہ السلام سے سن لو تو اسے قبول کرنے میں چکچاہٹ محسوس نہ کرو۔ لیکن اگر
تم نے اپنی عقل کو ایمان پر مقدم جانا تو تمہارا ایمان عقل پر تو کامل ہو سکتا ہے۔ شارع علیہ السلام
پر نہیں۔

— ہدایت و گمراہی اور مشیت ایزدی :

ہمیں اس مسئلہ (جبر و قدر) کے اثبات میں پہلے سے اسی مسلک پر چلنا چاہیے تھا۔ یہی وجہ
ہے کہ ہم نے اس کتاب کو نہایت معتدل اور اوسط انداز پر سپرد قلم کیا ہے۔ مگر کیا کیا جائے بعض
اوقات قلم کی طبعی اپنا رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ خداوند تعالیٰ ہمیں خطا و خلل سے محفوظ رکھے۔
وَاللّٰهُ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ۔

اللہ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے۔

انسان میں ہدایت و گمراہی کا پیدا کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔ جسے چاہے گمراہ کرے۔ جسے چاہے
راہ ہدایت پر رکھے۔ جسے وہ گمراہ کرے کوئی اسے راہ راست پر نہیں لاسکتا۔ جسے وہ ہدایت دے کوئی
اسے گمراہ نہیں کر سکتا۔ قرآن و حدیث دونوں سے ہی یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ ہاں قرآن کریم ہدایت
کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتا ہے۔ اور گمراہی کی نسبت شیطان اور بتوں کی طرف ہوتی
ہے۔ ہمیں ان دونوں نسبتوں پر ایمان و اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔

— ہدایت کے معنی ۔

ہدایت کے دو معنی ہیں۔ ایک سیدھا راستہ بنانا اور دوسرے سیدھے راستے سے منزل
مقصود تک پہنچانا۔ دوسرے معنی اللہ کی ذات سے مخصوص ہیں۔ اور کسی دوسرے کے اختیار
میں نہیں ہیں۔ مگر ہدایت کے پہلے معنی قرآن حکیم اور نبی علیہ السلام کی ذات سے وابستہ ہیں۔ یہ
دونوں سیدھا راستہ بناتے ہیں۔ مگر سیدھے راستے سے مقصود کی طرف پہنچانا اللہ کا کام ہے۔ یہی

وجہ ہے کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْٓ اٰوْر اِنَّكَ لَتَنهٰدِيْٓ وونوں درست ہیں۔ اول الذکر میں نفی اس بات کی ہے کہ اے نبی آپ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ اور ثانی الذکر میں آپ کا ہدایت کرنا ثابت کیا گیا ہے۔ اثبات راستہ بتانے اور اس پر چلانے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کو ہدایت کا سبب اور شیطان کو گمراہی کا سبب بنایا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت دینے والا ہے اور وہی توفیق بخشنے والا ہے۔

عذاب قبر:

اہل سنت و جماعت کے اعتقادات میں سے عذاب قبر کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ قبر سے مراد عالم برزخ ہے۔ جو دنیا اور آخرت کے درمیان تعلق کا کام دیتا ہے۔ یہ عذاب کافروں اور فاسق مومنوں کے لیے ضروری ہے۔ یہ لوگ اس عالم برزخ میں محنت و عذاب سے گزریں گے اور خداوند تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ناز و نعمت سے مالا مال ہونگے۔ اور اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو جیسے چاہے گا ان تک پہنچا بیگا۔ منکر اور نکیر دو فرشتوں کے نام ہیں۔ جو بڑے ہی عظیم ہستیوں کے۔ سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہیں۔ وہ قبر میں آتے ہیں۔ اور ہر انسان سے اس کے پروردگار اس کے رسول اور اس کے دین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تعلیم کی برکت سے ان کے سوالات کے جوابات حق کے مطابق ہوں گے تو اس شخص کے لیے ناز و نعمت کے دروازے کھل جائیں گے اور وہ نئی دلہن کی طرح خواب راحت میں رہے گا۔ اور وہی تنگ و تاریک قبر اس کے لیے جنت کے باغات میں سے ایک باغ بنا دی جائے گی اور اگر اسکے جواب صحیح نہ ہوں گے تو اسے عذاب و محنت برداشت کرنا ہوں گے۔ اور اس کی قبر ووزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بنا دی جائے گی۔

اس موضوع پر آیات و احادیث ناطق ہیں۔ ہمیں ان پر ایمان لانا چاہیے۔ اور عذاب قبر کی ساری کیفیتوں کو اللہ کے علم کے حوالے کرنا چاہیے۔ خواہ یہ کیفیتیں عالم برزخ کی زندگی کے متعلق ہوں یا روح کے متعلق ہوں۔ ان کیفیتوں کو جس طرح قادر مطلق چاہتا ہے اور جانتا ہے۔ اسی طرح ہی

تسلیم کرنا ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ان چیزوں سے باخبر ہونا ہی کافی ہے۔ ان کا ادراک ضروری بات نہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ منکر و نکیر گناہ گاروں کے لیے ہدیناک فرشتے بن کر آتے ہیں۔ مگر نیک انسانوں کے لیے بشر اور بشر نامی فرشتے قبر میں آتے ہیں۔ یہ بات سفاہت سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ احادیث میں اس کا ذکر بہت ہی تھوڑا ہے۔

ان علماء نے یہ بھی کیا ہے کہ چونکہ فرشتے ہر قسم کے لوگوں سے سوال کرتے ہیں اور ان ہی میں سے بعض لوگ جواب دینے سے قاصر و منکر ہوتے ہیں اور بعض صحیح جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ اس نسبت سے ان کا نام منکر اور نکیر رکھ دیا گیا۔ تاکہ ہر میت پر یہ دونوں فرشتے سوالات لے کر پہنچیں۔ چنانچہ ہر انسان کے نامہ اعمال میں دو فرشتے موکل کی حیثیت میں ہوتے ہیں۔ اور یہی دو شخص متعدد مقامات میں ایک ہی زمانے میں متمثل ہوتے رہتے ہیں۔ (یعنی ان کی مثالی صورتیں ہر مقام اور ہر زمان میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں)۔

خلاصہ اور بزازمی کے مصنف نے اپنے فتویٰ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ منکر و نکیر کے سوالات میت کے دفن کرنے کے بعد نہیں ہوتے۔ بلکہ ظاہری زندگی سے علیحدہ ہونے کے بعد ہر صورت میں سوال ہوتے ہیں۔ جب میت کو کسی تابوت میں رکھا جاتا ہے۔ تو اس کو وہاں سے منتقل کرنے کی نیت سے کسی دوسرے مقام پر پہنچایا جاتا ہے۔ اور اگر کسی کو زندہ بھی کھا جائے تو اس کے پیٹ میں ہی اس سے سوال کر لیے جاتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ انبیاء کرام سے قبر میں سوال نہیں کیے جاتے اور اگر ان سے استفسار کیا بھی جاتا ہے۔ تو صرف توحید اور احوال امت پر ہی استفسار کیا جاتا ہے۔ اور اس استفسار میں بھی انبیاء کرام کا شرف و تعظیم برقرار رکھا جاتا ہے۔

— اطفال مومنین سے سوال

مومنین کے چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال کے متعلق علما میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ ان سے سوال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ملائکہ ان سوالات کی صورت میں انہیں تلقین کرتے ہیں کہ وہ کہیں کہ اللہ ربی "و" وینی الاسلام و نبی محمد، یا اللہ تعالیٰ انہیں اللہ کرتا ہے تاکہ

وہ ان سوالات کا ایسے ہی جواب دیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پنگوڑے میں دیئے تھے۔
— اطفال مشرکین سے سوال

مشرکین کے اطفال کے متعلق امام ابوحنیفہؒ نے توقف کیا ہے اور انہوں نے دلائل میں تقارض کی وجہ سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اور ان کے ثواب و عذاب کے متعلق بھی کوئی واضح رائے قائم نہیں کی۔ لیکن بعض علما کا خیال ہے کہ ایسے بچے دوزخ میں جائیں گے اور بعض کہتے ہیں۔ کہ بہشت میں۔ محمد بن الحسین فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے گناہ عذاب نہیں کرتا اس لیے یہ بچے مسئول نہ ہوں گے۔

جنوں سے بھی قبر میں سوال کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے متعلق بہت سی دلیلیں پائی جاتی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ مسلمان جنوں کے ثواب کی کیفیت کے متعلق توقف کرتے ہیں۔ مگر کافر جنوں کے متعلق مذہب ہونے پر اتفاق کرتے ہیں۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یقینی کافر سے سوال نہیں ہوگا اور اسے سوال کے بغیر ہی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ مگر منافق سے سوال کیا جائے گا۔

بعض شارحین حدیث نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ وہ مومن جو شہید ہوئے یا اللہ کے راستے میں قربان ہوئے یا جمعہ اور جمعرات کو فوت ہوئے یا جو لوگ ہر رات سورۃ ملک پڑھتے رہے یا استسقا اور اسہالی کی بیماری سے مرے یہ بھی سوالات قبر سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں۔ ترمذی اور ابن عبد البر نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ سوال قبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت عظمیٰ کے خواص میں سے ہے۔ ان کی رائے ہے کہ عالم برزخ میں ان کے عذاب میں جلدی کرنے میں حکمت یہ ہے۔ کہ ان کے گناہوں کو جلدی سے جلدی محو کر دیا جائے تاکہ وہ قیامت کے دن تمام گناہوں سے پاک ہو کر میدان حشر میں پہنچیں۔ یہی بات شرح عقیدہ طحاوی میں بیان کی گئی ہے۔

— عذاب قبر

اکثر احادیث میں آیا ہے کہ گنہگار کی قبر میں ستر اڑوہا اور بچھو ہوں گے۔ اور ان کے زہر کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ اگر ان میں سے ایک بھی ڈسے تو دنیا کے تمام درخت جل کھا کستر ہو جائیں حقیقت یہ ہے کہ یہ سانپ اور بچھو انسان کی صفات ذمیمہ افعال قبیحہ اور دنیاوی تعلقات کی تمام صورتیں ہیں۔ جنہیں عالم قبر میں سانپ اور بچھوؤں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ یہ ستر کے اعداد کا

ذکر یا تو کثرت کے لیے بیان کیا گیا ہے یا اصول صفات کے اعداد پر شارع علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔

اس قسم کی چیزوں کے اعتقادات اور ایمان کے متعلق مخیر صادق نے جو خبریں دی ہیں۔ وہ دو طریقوں پر ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ سانپ اور بچھوؤں کا وجود اور ان کا میت کو ڈسنا امر واقع ہے اور یہ ایسی چیزیں اکثر مشاہدے میں آئی ہیں۔ لیکن بعض اوقات ہمارے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ کیونکہ اس دنیا میں ظاہری آنکھوں کے ساتھ عالم ملکوت کے مشاہدہ پر انسان کے اختیار میں نہیں۔ مگر وہ لوگ جن کی نگاہ عالم ملکوت کا مطالعہ کر سکتی ہے۔ ان کے لیے یہ چیزیں عیاں ہیں۔ چنانچہ بعض انبیاء اور اولیائے جبرائیل علیہ السلام کو عمومی شکل میں دیکھا۔ اور خصوصی شکل میں آنحضرت کے بغیر انہیں کوئی بھی نہیں دیکھ سکا۔ ایسا دیکھنا اور مخلوقات کو دکھانا قدرت الہی کا کرشمہ ہے۔ خواہ یہ جسمی حالت میں ہو یا روحانی صورت میں۔ اگر کسی کے سامنے پہاڑ بھی رکھ دیا جائے اور اس نے آنکھیں بھی کھول رکھی ہوں۔ اگر خدا اس پہاڑ کو نہ دکھائے تو نہیں دیکھ سکتا اور اگر وہ دکھائے تو ارواح کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایمان کا امتحان اعتقاد کی صحت اور رسول اللہ کی متابعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس بات پر اعتقاد رکھا جائے کہ ان سانپوں اور بچھوؤں کا دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے خواب میں دیکھا جائے۔ کیونکہ سانپ اور بچھو اور ان کا کاٹنا اور اس سے درد محسوس کرنا صرف سونے والے کے ہی اندازے میں ہوتا ہے اور اس پر جو کچھ گذرتی ہے وہ اسے محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ اس کیفیت کو دوسرے لوگ محسوس نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ دوسرا طریقہ ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ جب کہ پہلا کامل ایمان کی نشانی ہے۔

— موت کے بعد زندگی

مردوں کو قبر سے اٹھانا اور انہیں دوبارہ زندگی دینا برحق ہے۔ قرآن و حدیث ان دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔ اور دین اسلام کے اعتقاد کا دار و مدار بھی اسی مسئلہ پر ہے۔ جس ذات نے بالکل عدم سے ساری چیزوں کو زندگی دی اور کتم عدم سے وجود بخشنے۔ وہ دوسری بار بھی اس بات پر قدرت رکھتی ہے کہ پیدا کر سکے۔

هُوَ الَّذِي بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ۔

حقیقت میں انسانی زندگی کی نشوونما کو باقی رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے نسل انسانی کو عجب الذنب کی صورت میں باقی رکھا جائے گا۔ اور جس طرح صحرا و بیابان میں بارش کے بعد خود روگھاس نمودار ہو جاتی ہے۔ قیامت کے دن انسان بھی قبروں سے نمودار ہوں گے۔

احادیث میں آتا ہے۔ بارش آسمان سے ہوتی ہے۔ مگر مرنے زمین سے نمودار ہوں گے۔ انسان کے علاوہ تمام حیوانات مثلاً وحشی جانور۔ پرندے۔ چرندے اور حشرات الارض بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ تاکہ حکیم مطلق ایک دوسرے سے انتقام ولا سکے۔ حدیث احمد و مسلم میں آیا ہے کہ قیامت کے دن خدا کی مخلوق ایک دوسرے سے انتقام لے گئی جتنی کہ بے سینگ بکری اس بکری سے انتقام لے گی۔ جو زندگی میں اپنے سینگوں سے زیادتی کرتی رہی۔ حتیٰ کہ ایک ادنیٰ سی حیویتی جسے ناحق تنگ کیا گیا تھا۔ انتقام لینے کی مجاز ہوگی۔ چونکہ ایسے انتقام میں کسی قسم کا اختصاص نہیں ہوگا۔ اس لیے بعض علمائے رائے قائم کی ہے۔ کہ ایک بچہ دوسرے بچے سے بھی انتقام لے سکے گا۔ اس قصاص گیری و انتقام پذیری کے بعد تمام حیوانات کو معدوم کر دیا جائے گا۔ جو حیوانات انسانی غذا کے کام آئے۔ انہیں خاک جہاں بنا دیا جائے گا۔

بعث و نشور کا آغاز نفع صور سے ہوگا۔ سب سے اولین صور قیامت برپا ہونے کے ساتھ ہی پھونکا جائے گا۔ جس سے اہل زمین و آسمان میں وحشت طاری ہو جائے گی۔ اور اس طرح خوف و ہراس پیدا ہوگا۔ دلوں کا سکون اور اطمینان ختم ہو جائے گا۔ اور تمام جان دار چیزیں مرجائیں گی۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفِرْعَمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ الْأَمِنْ سَاءَ اللَّهُ
 جب صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان سے تمام چیزیں معدوم ہو جائیں گے۔ مگر جنہیں اللہ چاہے۔
 وَنُفَخَ فِي الصُّورِ فَصَبَعُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ الْأَمِنْ سَاءَ اللَّهُ
 جب صور پھونکا جائے گا۔ زمین و آسمان کی بہ چیز ختم ہو جائے گی مگر جنہیں اللہ چاہے۔
 دوسری بار جب صور پھونکا جائے گا تو مرنے قبروں سے اٹھیں گے۔ اور ادھر ادھر پھیلنے جائیں گے جیسے کہ اس آیت شریفہ میں ہے۔

ثُمَّ نَفَخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ صَيَّامٌ يَنْظُرُونَ -

پھر دوسری بار پھونکا جائے گا۔ تو سب لوگ کھڑے ہوں گے۔ ایک اور جگہ فرمایا۔

وَنَفَخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ -

ان دونوں کیفیات کا درمیانی عرصہ چالیس سال ہوگا۔

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

کے حکم عام سے ایک بات یہ بھی واضح ہوتی ہے۔ کہ نفعِ صور کے اثرات زمین و آسمان کی تمام مخلوقات پر یکساں ہوں گے۔ انسان، جن اور فرشتے بھی اسی زد میں آئیں گے البتہ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ میں جبرائیل، میکائیل، اسرافیل و عزرائیل حور و خرنہ و حمد عرش اور شہدا آتے ہیں۔

— قیامت کیا ہے

کبھی تو نفعِ صور کو قیامت کہا جاتا ہے۔ مگر بعض نے ابتدائے موت سے لیکر دخولِ جنت تک کے سارے عرصہ کو قیامت ہی تعبیر کیا ہے۔ حقیقت میں اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے۔ ہر روز ایسے حالات انسانوں پر گذرتے رہتے ہیں۔ لیکن لوگ پھر بھی روزِ قیامت کے حالات سے غافل و بے خبر ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے۔ کہ جس وقت شام آتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں غم و اندوہ و حسرت و خوف چھا جاتا ہے۔ تمام پرندے اور حیوانات اپنے اپنے آشیانوں اور پناہ گاہوں میں آکر گھس جاتے ہیں۔ اور رات کو نیند کی وادی میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور ان پر ایک قسم کی موت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ نفعِ اولین کا معمولی سا اثر ہے۔ پھر نمودار ہوتے ہی تمام جان دار بے اختیار بیدار ہو کر اپنے اپنے کاروبار کے لیے اوجھڑ پھیل جاتے ہیں۔ یہ نفعِ ثانی کی علامت ہے اور نشور ظاہر ہوتا ہے۔

نَسُفًا الْقَادِرُ الَّذِي يُبَيِّئُ وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ -

— میزانِ عدل

قیامت کے دن انسانوں کے اعمال و افعال کی چھان بین اور پھر ان کا وزن ہوگا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام افعال و اعمال کو پوری طرح جانتا ہے۔ مگر پھر بھی وزنِ اعمال میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ایک حکمت تو یہ ہے۔ کہ اس طریقہ سے انسان پر اپنے اعمال کی حقیقت خود بخود عیاں ہو جائے گی۔ اور دوسری حکمتوں کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اور وہی خوب جانتا ہے۔ ہمیں صرف اس میزان

اور اعمال کے میزان کی کیفیت معلوم کرنا ضروری نہیں۔ صرف اسے تسلیم کرنا ہی ایمان کے لیے کافی ہے۔

میزان کے متعلق یہ بات تحقیق سے کہی جاسکتی ہے۔ وہ حقیقی ترازو ہے۔ اس کے دو پلڑے ایک ڈنڈی اور ایک سوئی (جس سے وزن دیکھا جاسکے) ہے۔ ہر پلڑے زمین و آسمان کی وسعتوں سے کہیں زیادہ ہوگا۔ حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اگر زمین و آسمان اور ان کی ساری موجودات کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے تو سما جائے گا۔ نیکیوں کا پلڑا عرش کی دائیں جانب جنت کے دروازہ کے عین سامنے ہوگا۔ اور گناہوں کا پلڑا عرش کی بائیں جانب دوزخ کے بالکل سامنے ہوگا۔

بعض علمائے کرام نے کہا ہے کہ میزان سے مراد ایک چیز ہے جس سے اعمال کا اندازہ کیا جاسکے۔ خواہ میزان کی شکل و صورت کچھ ہی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن عدل کو ظاہر کیا جائے میزان تو اس کی تمثیل ہے۔ یہ علمائے کرام کی یہ رائے محض تاویلی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میزان کا وجود محض تمثیلی ہی نہیں حقیقی ہے۔ اور احادیث اس پر شاہد ہیں۔ اس پر ایمان لانا چاہیے اور عقلیات کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔

جن اعمال کو تولا جائے گا۔ ان کی ایک صورت تو یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان نیک اعمال کو نورانی صورتوں میں ظاہر کرے گا اور برائیوں کو ظلمانی اجسام میں رو نما کرے گا۔ اور اسی طرح وزن کیا جائے گا۔ اعمال کے صحیفے بھی تولے جائیں گے۔ اور وہ صحیفے انسانوں کے اعمال کے پیش نظر ہلکا یا بوجھل کر دیں گے۔ بطاقت کی حدیث اس مسئلہ کی وضاحت کرتی ہے۔ بطاقت کاغذ کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جس میں کسی سامان کی قیمت درج کی جائے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اگر کسی کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا۔ تو اس میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ کر رکھ دیا جائے گا۔ وہ پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ بعض علمائے کرام نے ان دونوں حدیثوں کو تطبیق دے کر بیان کیا ہے کہ اعمال اور صحائف دونوں تولے جائیں گے۔

وَنَصَّعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ

میں موازین یعنی بہت سے ترازوں سے مراد یہ ہے کہ ہر امت ہر جماعت کے ہر عمل کے

یہ ترازو ہوگا۔ اور کوئی چیز یا انسان اس میزان عدل سے نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ اس ترازو کی عظمت اور کثرت اجزا کی بنا پر بھی جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

اس شخص کے اعمال کا میزان عدل پر لانا جس سے ایک بھی نیکی سرزد نہ ہوئی ہو۔ یا وہ ایک بھی برائی کا مرتکب نہ ہو ہو۔ اظہار رسوائی۔ اور اظہار شرافت کے لیے ہوگا۔ کافروں کے اعمال تو نے میں بھی حکمت ہے۔ ورنہ کفار کے پاس نیکیاں کہاں ہیں۔ جن کا وزن کیا جائے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض کفار کی بعض ظلم نیکیاں ان کے عذاب میں تخفیف کا سبب بن سکیں کہتے ہیں۔ آخرت کے ترازو کا بلکا یا بھاری ہونا۔ دنیا کے ترازو کی طرح نہیں ہوگا۔ جو پلٹا اوپر کو اٹھ جائے گا اسے بھاری سمجھا جائے گا۔ اور جو نیچے رہے گا۔ اسے ہلکا تصور کیا جائے گا۔ لیکن بظاہر کی حدیث اس بات کی تردید کرتی ہے۔

اعمال نامے

وہ اعمال نامے جن میں انسانوں کے گناہ و ثواب درج ہیں۔ حق ہیں۔ مومنوں کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور کافروں کو بائیں ہاتھ میں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مومنوں کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ اور کفار کو ان کے بائیں ہاتھ پس پشت دیئے جائیں گے۔ ان کا بائیں ہاتھ ان کی پشت سے چمٹا ہوگا۔ بعض کفار کے بائیں ہاتھ سینے سے پھلی طرف چمٹا دیئے جائیں گے۔ یہ بات مومن و کافر میں تمیز کرنے کے لیے کی جائے گی۔ تاکہ مومن کی عزت اور کافر کی رسوائی کی جائے۔

گنہگار مومن کے معاملہ میں علمائے کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ مگر یہ انعام سزا بھگتے اور دوزخ سے برآمد ہونے کے بعد ہوگا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ اعمال نامے تو دائیں ہاتھ ہوں گے مگر وہ پڑھ نہیں سکیں گے۔ مگر دوزخ سے نکلنے کے بعد ہی پڑھ سکیں گے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ان

لہ فَاَمَّا مَنْ نَقَلَتْ مَوَازِينَهُ فَهَوِيَ قَوَائِمُهُ عَنِ اَرْضِيَّةٍ ۗ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَاُمَّا هُوَ رَدِيۡقًا

جس کے اعمال کا وزن بھاری ہوگا وہ آرام کی زندگی حاصل کریں گے اور جن کے وزن ہلکے

ہیں۔ وہ دوزخ میں رہیں گے) میں ایسے ہی صحائف کا اشارہ ہے۔ (مترجم)

لوگوں کو نہ بائیں ہاتھ توڑائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ بلکہ ان کے سامنے رکھے جائیں گے بعض علما کی تحقیق یہ ہے کہ اعمال نامے دینے کی بجائے ان لوگوں کو پڑھ کر سنا دیئے جائیں گے۔ حق بات یہ ہے کہ اس ضمن میں کوئی نص صریح موجود نہیں۔ اور مندرجہ بالا اختلاف محض اجتہاد و استنباط کی بنا پر ہے۔ حساب اعمال بھی یقینی چیز ہے جس طرح نامہ اعمال حق ہے ویسے ہی اس کا حساب بھی حق ہے۔

— سوالات و استفسارات

خداوند تعالیٰ کا اپنے بندوں سے یہ دریافت کرنا کہ انہوں نے کیا کیا نیک کام کیے اور کن کن برائیوں کے مرتکب ہوئے۔ حق ہے۔ فرشتوں سے بھی حساب لیا جائے گا۔ سب سے پہلے جبرائیل امین سے سوالات کیے جائیں گے۔ کہ انہوں نے وحی کی امانت پیغمبران خدا تک کس طرح پہنچائی۔ بعض احادیث میں یہ بھی ہے کہ سب سے اول لوح محفوظ سے سوال ہوگا۔ جب اسے حاضر کیا جائے گا۔ تو وہ ہمیت خداوندی سے کانپ اٹھے گی۔ اور پوچھا جائے گا کہ تم نے علوم انہیہ کو جبرائیل تک پہنچانے کی صفائی میں تمہارا کون گواہ ہے۔ وہ کہے گی کہ میرا گواہ اسرافیل ہے۔ جب اسرافیل کو حاضر کیا جائے گا تو وہ بھی ہمیت الہی سے لرزہ بر اندام ہوگا۔ پھر پیغمبروں کو لایا جائے گا۔ اور ان سے تبلیغ وحی اور ادائے امانت رسالت کے متعلق سوالات کیے جائیں گے۔ عبادات میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہوگا۔ اور معاملات میں خون کے متعلق پوچھا جائے گا۔ ظالم کی نیکیاں مظلوم کے حوالے کی جائیں گی۔ اور مظلوم کی برائیاں ظالم پر رکھی جائیں گی۔

حدیث میں آیا ہے۔ کہ ایک وانگ (چھرتی وزن) کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دی جائیں گی۔ بعض روایتوں میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس ستر پیغمبروں کا ثواب ہوگا۔ اور اس نے نصف وانگ دینا ہے۔ تو جب تک اپنے اس قرض خواہ کو راضی نہ کر لے گا۔ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

عجیب بات ہے۔ کہ ایسا دن درپیش ہو۔ اور انسان بستر راحت پر دراز ہو کر کتار ہے۔ جو میرے پاس ہے دوسرے کے پاس نہیں۔ جو کچھ میں جانتا ہوں دوسرا نہیں جانتا۔ عوام غفلت کا شکار ہیں۔ علماء بحث و مناظرہ میں الجھے ہوئے ہیں۔ صوفیہ فخر و مباہات کے دعوے کر رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ انہیں کچھ خبر نہیں کہ آخرت میں ان سے کیا سلوک ہونے والا ہے۔ وہ اپنی بے

خبری میں اس قدر غافل ہیں کہ انہیں کچھ اندازہ نہیں کہ ان کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ اور اسیں کیسے سخت دن کا سامنا ہے۔ وہ سارا دن باتیں کرنے میں گزار دیتے ہیں۔ اور آخرت اور موت کی فکر سے دور ہو چکے ہیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اے بندگانِ خدا! اب رحمتِ خداوندی کی تلاش کرو۔ اگر وہ چاہے گا تو ان مدعیانِ عصر حاضر کو دور سے جنت دکھا کر راضی کر دے گا۔ اور فرمائے گا۔ اس کو کون خرید سکتا ہے۔ وہ اعتراف کریں گے۔ اے اللہ! اسے کون خرید سکتا ہے۔ اس قدر مال و دولت کس کے پاس ہو سکتا ہے۔ اللہ کے گا۔ تم خرید سکتے ہو۔ کیونکہ اس کی قیمت تمہارے پاس موجود ہے۔ اگر اپنا حق اپنے مسلمان بھائی کو بخش دو۔ اور اسے معاف کر دو۔ تو جنت تمہارے لیے ہے۔ رحمتِ خداوندی کا یہ اعلان سننے کے بعد وہ اپنے حق بخش دیں گے اور جنت حاصل کر لیں گے۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ قیامت کے دن سوالات کرتے وقت اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو رحمت کے پردے میں ڈھانپ لے گا۔ اور ان سے اس انداز سے سوال کیے جائیں گے کہ غیروں کو خبر تک نہ ہوگی۔ اور فرمائے گا جس طرح دنیا میں ہم نے تمہارا گناہوں کو پردہ انخفا میں رکھا تھا۔ اسی طرح آج اپنی رحمت سے بخش دیا ہے۔ ان کے نیک اعمال نامے ان کے ہاتھوں میں پکڑا دیئے جائیں گے۔ کافروں اور منافقوں کو رسوا کیا جائے گا۔ اور یہ اعلان کیا جائے گا۔

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ - فَسُبْحَانَ ذِي الْعَدْلِ الْقَوِيِّ الْفَضِيلِ الْعَظِيمِ۔

اگرچہ اس کی رحمت اپنا کام کرتی ہے۔ مگر اس کی عدالت سے ڈر بھی آتا ہے۔

۵ اگر دروہدیک صلا سے کرم

عزرا زیل گوید نصیبے کرم

اس شعر کے بعد ہمیں اس شعر کو بھی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

۵ بہ تہدید اگر بہ کشد تیغ حکم

بمانسدر کتو بیاں صم و بکم

قرآن میں آتا ہے۔

الَاِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اور ایک دوسری جگہ آتا ہے۔

لَا يَسْأَلُ عَنَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ

عجز و حیرت اور بے چارگی کے بغیر چارہ کار نہیں۔ ہمیں دونوں چیزوں پر ایمان رکھنا چاہیے مالک

اور حاکم تو وہی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

— حوض کوثر

حوض کوثر کا وجود و قیام حق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن

حوض کوثر کا مالک و مختار بنا دیا ہے۔ اور

اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ

ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا۔

اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ حوض کوثر کی وسعت ایک ماہ کے سفر کے برابر ہوگی۔ اس

کا پانی دوود سے سفید تر اس کی خوشبو مشک سے نفیس تر۔ اس کے کوزے ستارہ ہائے آسمان

سے روشن تر ہوں گے۔ ایک دفعہ پانی پی لینے کے بعد دوسری بار پیاس محسوس نہ ہوگی۔ حوض کی

وسعت و طوالت کے متعلق مختلف احادیث آئی ہیں۔ اور اس میں مخاطبین کا اپنا طرز پیمائش ملحوظ

رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اہل مین کو بتایا گیا۔

صنعا والی عدت یعنی حوض کوثر مین کے شہر صنعا سے لے کر عدن تک ہوگی۔

شام والوں کو اس کی وسعت کا اور انداز سے بیان فرمایا۔ ہر شخص کے سامنے اس کی وسعت

اور طوالت کو اس پیمانہ سے بیان فرمایا گیا جس سے وہ واقف اور آشنا تھا۔

بعض احادیث میں اس کی وسعت کو وقت کے حساب سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ہم

اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حوض کی وسعت ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہوگی۔ ان تمام روایات سے

اصل مقصود یہ ہے کہ حوض کوثر کی وسعت اور عظمت کی وضاحت کی جائے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ قیامت کے دن پر پیغمبر کو اس کے حسب مراتب و شان حوض

کوثر دیا جائے گا۔

قرطبی بیان کرتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کے پاس دو تھوس ہوں گے۔ دونوں کے نام کوثر ہی ہوں گے۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ساقی تھوس کوثر ہوں گے۔ آج جوان کی محبت میں یرب اور ان کے دیدار کا پیاسہ نہیں ہے۔ اس کے لیے مشکل ہے کہ وہ تھوس کوثر سے پانی پی سکے ایسی روایات بہت ملتی ہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کے دل میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی محبت نہیں۔ آب کوثر سے اس کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

— پل صراط

پل صراط حق ہے۔ حق تعالیٰ قیامت کے دن دوزخ کی پشت پر ایک راستہ بنائیں گے جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر ہوگا۔ اور تمام مخلوقات کو حکم دیا جائے گا۔ کہ اس پر سے گزریں۔ بہشت والے اسے عبور کر جائیں گے اور بہشت میں پہنچیں گے۔ بعض لوگ چمکتی ہوئی بجلی کی طرح گزریں گے۔ اور بعض تیز و تند ہوا کی طرح بعض سبک رفتار گھوڑے کی طرح غرضیکہ ہر شخص حسب مراتب اس راستے سے گذرتا رہے گا۔ دنیا میں دین اور انصاف کا راستہ اسی پل صراط کی تمثیل ہے۔

دوزخیوں کے پاؤں ٹکھڑا جائیں گے۔ اور وہ دوزخ میں گر جائیں گے۔ قرآن پاک کا یہ ارشاد وَإِنْ قَمِنْتُمْ لَوَادِدْهَا اسی مسئلے پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ پل صراط پر سے گذرنا ہر ایک کے لیے عام ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کرام اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پل صراط سے گزریں گے۔

بعض اہل دل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پل صراط سے گذرنے میں یہ حکمت ظاہر کی ہے۔ کہ آپ اپنے بعض گنہگار امتیوں کو جو بد قسمتی سے دوزخ میں گرفتار ہوں گے۔ جمال باکمال سے ایام فراق کی غمگساری فرمائیں گے۔ ایک روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آیت کے عموم سے مخصوص ہیں۔ آپ کھڑے ہوں گے اور دیکھتے رہیں گے تاکہ ساری امت آپ کے سامنے سے گذرے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ

آگ سے گزریں تو وہ بھی اہل ایمان کے لیے گلستان بن جائے گی۔ ایک عام مومن کے گزرنے سے آگ فریاد کر کے کہے گی۔

جُزِيََا مَوْمِنٌ وَقَاتٌ تُؤْرِكُ أَطْفَالَهَا هَبِيًّا -

اے مومن جلدی سے گزرو۔ تمہارے نور ایمان نے میرے شعلوں کو مدھم کر دیا ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نور الانوار المؤمنین ہیں۔ کے سامنے آگ کی کیا حقیقت ہوگی۔ آپ کے نور نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشانی میں جلوہ فرما کر کس طرح آگ کو گلزار بنا دیا۔ اور جب وہ نور مجسم بے واسطہ خود تشریف لائیں گے۔ تو اس کا کیا اثر نہ ہوگا۔

— شفاعت رسول اللہ

انبیاء کرام اولیائے عظام صلحائے اُمت علمائے دین اور ملائکہ مکربین کو بارگاہ الہی میں جو عزت و آبرو حاصل ہے اس کے پیش نظر گنہگاروں کے لیے ان کا مغفرت چاہنا برحق ہے۔ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کا دروازہ کھلوائیں گے۔ جس سے سب کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضور بارگاہ الہی میں کس قدر محترم اور مکرم ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ آپ اس خاص دن کے لیے کتنے جاہ و جلال کے مالک ہیں۔ جب ساری دنیا کے انسان خوف اور وہشت کی وجہ سے میدان حشر میں حیران و پریشان ہوں گے۔ اور آرزو کریں گے کہ کوئی ایسا شفیع ہو جو انہیں عذاب سے نجات دلائے اور اس پریشانی کا مداوا بن جائے۔ سب سے پہلے یہ لوگ حضرت آدم صلی اللہ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ نسل انسانی کے باپ ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا تھا۔ بہشت میں بہترین جگہ دی تھی۔ مسجود ملائکہ بنایا۔ تمام اشیاء کے اسماء سکھا دیئے۔ آپ اس مشکل دن میں ہماری شفاعت کریں۔ حضرت آدم فرمائیں گے کہ اس مقام پر کھڑے ہونا اور بارگاہ ایزدی میں آج کے دن دم مارنا میری طاقت سے باہر ہے۔ مجھے ابھی تک دانہ گندم کی یا شجرہ ممنوعہ کی شرمندگی سر اٹھانے نہیں دیتی۔ میں خدا کے فرمان کے باوجود خطا کا مرتکب ہوا۔ تمہارا یہ کام شاید حضرت نوح سے بن پڑے۔ لوگ حضرت نوح کے پاس آئیں گے اور حضرت نوح انہیں حضرت ابراہیم کی طرف جانے کا مشورہ دیں گے۔ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ کے پاس وہ حضرت عیسیٰ کی طرف پہنچنے کی سفارش کریں گے۔

یہ اولوالعزم رسول اپنی ان غلطیوں سے شرمسار ہوں گے۔ جو زندگی میں ان سے سرزد ہوئیں۔ اور کوئی بھی اس مقام کی دہشت سے آگے بڑھنے کی جرات نہ کر سکے گا۔ حتیٰ کہ ساری مخلوق حضرت خاتم الانبیاء سید الرسل شفیع روز محشر و مکرم بختاب لَبِغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ہیں۔ کی بارگاہ میں آئیں گے اور اپنا حال بیان کریں گے۔ آپ اٹھیں گے اور بارگاہ رب العزت کے سراپورہ جلال میں آئیں گے۔ اور وہ مقام محمود جس کا دنیا میں وعدہ کیا گیا تھا۔

عَسَىٰ أَنْ تَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا

آپ کے بغیر اس مقام پر کسی کا کھڑا ہونا ممکن نہیں۔ آپ اٹھیں گے۔ اور سجدے میں گر جائیں گے۔ حکم ہو گا کہ سجدہ سے سر اٹھائیے آپ جو کچھ چاہتے ہیں پورا کر دیا جائے گا۔ جو کچھ کہیں گے اسے مانا جائے گا۔ آپ سجدے سے سر اٹھا کر اپنی زبان پاک سے خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کہیں گے اور گنہگاروں کو بخشنے کی شفاعت کریں گے۔ پھر سجدے میں جائیں گے اور دوسری قسم کے گنہگاروں کو بخشنے کی شفاعت کریں گے اور تیسری دفعہ سجدے سے اس وقت سر اٹھائیں گے۔ جب ہر قسم کے گناہ گار بخش دیئے جائیں گے اور کوئی بھی باقی نہ رہے گا۔ بجز ان لوگوں کے جن لوگوں کے متعلق قرآن پاک میں ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ قسمت کر دی گئی ہے۔ یعنی کافر مشرکین اور منکرین۔

اسی مضمون پر بخاری اور مسلم میں صحیح حدیث مذکور ہے کہ ہر گنہگار کو شفاعت کی اجتناب ہوگی۔ اور صرف وہی گنہگار رہ جائیں گے جو دوسرے انبیاء کی امتوں سے مخصوص ہیں یا دوسروں کو اللہ کے دربار میں شفاعت کرنے کی اجازت ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کے بعد کوئی گنہگار باقی نہ رہے گا۔ مگر وہ لوگ جن میں سوائے لا اِلهَ اِلَّا اللهُ کے ذرہ برابر بھی نیکی نہیں ہے۔ وہ سراسر معصیت اور گناہ میں مبتلا ہیں ان کے لیے بھی شفاعت کی اجازت چاہیں گے۔ بارگاہ رب العزت سے حکم ہو گا کہ یہ بھی میرے خاص لوگ ہیں۔ ان کے لیے میں خود ہی شفاعت کرتا ہوں۔ اور انہیں دوزخ کی آگ سے نکالتا ہوں۔ لے

لے امام احمد بسند صحیح اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور

ابن ماجہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی

غرضیکہ یہ دن یوم محمد رسول اللہ ہوگا۔ یہ مقام مقام محمدی ہوگا اور یہ بات بھی آپ ہی کو زیب

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

خَيْرُكُمْ بَيْنَ الشَّفَاعَةِ وَبَيْنَ أَنْ يَدْخَلَ شَطْرُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ
فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ لِأَنَّهَا أَعْمَدٌ وَكَفَى اتْرُدُّهَا لِلْمُؤْمِنِينَ الْمُتَّقِينَ
لَأَوْلِيَّتِهَا لِلْمُذْنِبِينَ الْخَاطِئِينَ۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدمی امت جنت میں جائے
میں نے شفاعت لی۔ کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے۔ کیا تم یہ سمجھ
لیے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے۔ نہیں بلکہ وہ ان گناہ گاروں
کے واسطے ہے۔ جو گناہوں میں آلودہ اور سخت کار ہیں۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَاحْمَدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ابن عدی حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور شفیع

المدینین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِي لِدَهَائِكُمْ مِنْ أُمَّتِي۔

میری شفاعت میرے ان امتیوں کیلئے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔ حق
ہے۔ اے شفیع میرے میں قربان تیرے صلی اللہ علیک۔

ابوداؤد و ترمذی و ابن حبان و حاکم و بیہقی بافادہ تصحیح حضرت انس بن مالک و ترمذی

و ابن ماجہ ابن حبان و حاکم حضرت جابر بن عبد اللہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ

بن عباس اور خطیب بغدادی حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق و حضرت کعب بن عجرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضور شفیع المدینین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے

ہیں :

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الْكِبَايَرِ مِنْ أُمَّتِي۔

میری شفاعت میری امت میں ان کے لیے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔ صلی اللہ

تعالیٰ علیک وسلم و الحمد لله رب العالمین۔

دے گی کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ اور دوسرے سارے طفیلی ہوں گے قرآن

ابوبکر احمد بن علی بغدادی حضرت ابوورداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور

شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

شَفَاعَتِي لِأَهْلِ الذُّكُوبِ مِنْ أُمَّتِي۔

میری شفاعت میرے گنہگار امتیوں کے لیے ہے۔ ابوورداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

عرض کی وَإِنْ زَنَىٰ وَإِنْ سَرَقَ۔ اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو فرمایا:

وَإِنْ زَنَىٰ وَإِنْ سَرَقَ عَلَىٰ رَعْمِ نَفْسِي دَرْدَاءٍ۔

اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو برخلاف خواہش ابوورداء کے۔

طبرانی و بیہقی حضرت بریدہ اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنِّي لَأَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِأَكْثَرِ مَتَاعِي وَجَعِ الْأَرْضِ مِنْ تَبَخُّرِ وَجْهِهِ وَفَدَارِ

یعنی روئے زمین پر جتنے پیر پتھر ڈھیلے ہیں۔ میں قیامت میں ان سب سے زیادہ آدمیوں

کی شفاعت فرماؤں گا۔

بخاری مسلم حاکم بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔

وَاللَّفْظُ لَهُدْيَيْنِ۔

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِي لِمَنْ شَرَّهَانَ كَالْإِلَهِ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا بَصَدِّقِ لِسَانَهُ قَلْبَهُ

میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے۔ کہ زبان کی تصدیق

دل کرتا ہو۔

احمد طبرانی و بزار حضرت معاذ بن جبل و حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ

عنہما سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّهَا أَوْ سَمِعْتُمْ هِيَ لِمَنْ مَاتَ وَلَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا۔

شفاعت میں امت کے لیے زیادہ وسعت ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے جس

پاک کا ارشاد ہوتا ہے ۔

کا خاتمہ ایمان پر ہو ۔

طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اِنِّي جَهَنَّمُ فَأَضْرِبُ بِأَيْهَا فَيُعْتَمِرُنِي فَأَدْخُلُهَا فَأَحْمِدُ اللَّهَ
عَمَّا مَدَّ مَا حَمِدَا أَحَدٌ قَبْلِي مِثْلَهُ وَلَا يَحْمَدُ أَحَدٌ بَعْدِي مِثْلَهُ
ثُمَّ أَخْرَجَ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا .

میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا۔ وہاں خدا کی تعریفیں کروں گا۔ ایسی کہ نہ
مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے۔ پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال
لوں گا جس نے خالص دل سے لا الہ الا اللہ کہا ۔

حاکم بافادہ تصحیح اور طبرانی و بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

يُوضَعُ لِلْأَنْبِيَاءِ مَنَابِرٌ مِنْ ذَهَبٍ فَيَجْلِسُونَ عَلَيْهَا وَيَبْقَى مِنْ بَرِيٍّ وَ
لَحْرٍ أَجْلِسُ لَا أَزَالُ أَقِيمُ نَحْشِيَةَ أَنْ أَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَيَبْقَى أَمْتِي بَعْدِي
فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَمْتِي أَمْتِي فَيَقُولُ اللَّهُ يَا مُحَمَّدٌ وَمَا تَرِيدُ أَنْ أَضْعُبَ بِأَمْتِكَ فَأَقُولُ
يَا رَبِّ يَجْعَلُ حِسَابَهُمْ فَمَا أَزَالُ حَتَّى أُعْطَى قَدْ بُعِثَتْ بِهِمُ إِلَى النَّارِ وَحَتَّى أَنْ
مَالِكًا خَازِنُ النَّارِ فَيَقُولُ يَا مُحَمَّدٌ مَا تَرَكْتُ لِعَضْبِ رَبِّكَ فِي أَمْتِكَ مِنْ بَقِيَّةٍ .

انبیاء کے لیے سونے کے منبر بچائے جائیں گے۔ وہ ان پر بیٹھیں گے اور میرا منبر باقی ہے
گا۔ کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا۔ بلکہ اپنے رب کے حضور سر و قد کھڑا رہوں گا۔ اس
ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد رہ جائے
پھر عرض کروں گا۔ اے رب میرے میری امت، میری امت، اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے
محمد تیری کیا مرضی ہے۔ میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں۔ عرض کروں گا۔ اے رب
میرے ان کا حساب جلد فرما دے۔ پس میں شفاعت کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ مجھے

وَكَسَوْتَ يُعْطِيكَ رَبِّكَ فَتَرْضَىٰ -

ان کی رہائی کی چھٹیاں ملیں گی۔ جنہیں دوزخ بھیج چکے تھے۔ یہاں تک کہ مالک درود دوزخ
عرض کرے گا۔ اے محمد آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا۔

اللَّهُمَّ صَلِّ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

بخاری و مسلم و نسائی حضرت جابر بن عبد اللہ اور احمد بسند حسن اور بخاری تاریخ

میں اور بزار طبرانی و بیہقی و ابو نعیم حضرت عبد اللہ ابن عباس اور احمد بسند حسن و بزار بسند

جید و دارمی و ابن شیبہ و ابو یعلیٰ و ابو نعیم و بیہقی حضرت ابو ذر اور طبرانی معجم اوسط میں بسند

حضرت ابو سعید خدری اور کبیر میں حضرت سائب بن یزید اور احمد باسناد حسن اور ابن شیبہ

و طبرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی۔

وَاللَّفْظُ لِحَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

أُعْطِيَتْ مَا كُمْ يُعْطِينَ أَحَدًا قَبْلِي إِلَى قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَأُعْطِيَتْ الشَّفَاعَةُ -

ان چھوڑوں حدیثوں میں یہ بیان ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے

ہیں۔ میں شفیع مقرر کر دیا گیا۔ اور شفاعت خاص مجھی کو عطا ہوگی۔ میرے سوا کسی نبی

کو یہ منصب نہ ملا۔

ابن عباس و ابو سعید و ابو موسیٰ سے انہیں حدیثوں میں وہ مضمون بھی ہے جو احمد

و بخاری و مسلم نے انس اور شخین نے ابو ہریرہ سے روایت کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین کہ

حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ قَدْ دَعَا بِهَا فِي أُمَّةٍ وَاسْتَجِيبَ كَهَذَا اللَّفْظُ

إِلَّا لِنَسِ وَ لَفْظُ أَبِي سَعِيدٍ. لَيْسَ مِنْ نَبِيِّ إِلَّا وَقَدْ أُعْطِيَ دَعْوَةً فَتَجَعَّلَهَا (و

لفظ ابن عباس) لَمْ يَبْقَ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ لَهَا رَجَعْنَا إِلَى لَفْظِ أَنَسٍ وَالْفَاظُ

الْبَاقِينَ كَمَثَلِهِ مَعْنَى قَالَ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(زاد ابو موسیٰ) جَعَلْتُمْهَا لِمَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يَشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا -

اے محمد۔ اے محب من۔ اے محبوب من۔ اے مطلوب من۔ اے بندہ خاص من۔ میں آپ کو

یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ مگر ایک دعا انہیں خاص جناب باری و تبارک و تعالیٰ سے ملتی ہے۔ جو کہ چاہو مانگ لو۔ بے شک دیا جائے گا۔ تمام انبیاء آدم سے عیسیٰ تک علیہم الصلوٰۃ والسلام سب اپنی اپنی وہ دعا دنیا میں کر چکے۔ اور میں نے آخرت کے لیے اٹھا رکھی وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے قیامت کے دن میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے رکھا ہے۔ جو ایمان پر دنیا سے اٹھی۔

اللّٰهُمَّ اَرزُقْنَا بِجَاهِكَ اَمِيْن۔

اللہ اکبر۔ اے گنگار ان امت کیا تم نے اپنے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ کمال رافت و رحمت اپنے حال پر نہ دیکھی کہ بارگاہ الہی عزوجلہ سے تین سوال حضور کو ملے۔ جو چاہو مانگ لو۔ عطا ہوگا۔ حضور نے ان میں کوئی سوال اپنی ذات پاک کے لیے نہ رکھا۔ سب تمہارے ہی کام میں صرف فرما دیئے۔ دو سوال دنیا میں کیے۔ وہ بھی تمہارے ہی واسطے۔ تیسرا آخرت کو لٹھا رکھا۔ وہ تمہاری اس عظیم حاجت کی واسطے جب اس مہربان مولے رؤف و رحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا۔ بگڑی بنانے والا نہ ہوگا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق فرمایا۔ حضرت حق عزوجل نے :-

عَزِيْبٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْبٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

واللہ العظیم قسم اس کی جس نے انہیں آپ مہربان کیا۔ کہ ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زہار اتنی مہربان نہیں جس قدر وہ ایک اپنے امتی پر مہربان ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الہی تو ہمارا عجز و ضعف اور ان کے حقوق عظیمہ کی غفلت جانتا ہے۔ اے قادر۔ اے واجد۔ اے ماجد ہمارے طرف سے ان پر اور ان کی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو ان کے حقوق کو وافی ہوں۔ اور ان کی رحمتوں کو مکافی۔

اس قدر نعمتیں ووں گا اور اس قدر رحمتیں نازل کروں گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ آپ کے

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَهَجْمِهِ قَدْرًا فَتِهِ وَرَحْمَتِهِ
بِأُمَّتِهِ وَقَدْرًا سَأْفَتِكَ وَرَحْمَتِكَ بِهَامِيْنَ أَمِيْنَ إِلَهَ الْحَقِّ أَمِيْنَ۔

سبحان اللہ امتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی افضلیت میں تشکیکیں نکالتا ہے۔ کوئی ان کی شفاعت میں شبہ ڈالتا ہے۔ کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے۔ کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر کرتا ہے۔ افعال محبت کا بدعت نام اجلال و ادب پر پر شرک کے احکام۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاغِبُونَ۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مَنَقَلِبٍ
يَبْقَلِبُونَ۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال عطا فرمائے۔ میں نے دوبار تو دنیا میں عرض کر لی۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَتَّى۔ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي مَتَّى۔

الہی میری امت کی مغفرت فرما۔ الہی میری امت کی مغفرت فرما۔

وَآخَرَتُ الثَّلَاثَةِ فَيَوْمَ يُرْغَبُ إِلَىٰ فَيْدِ الْخَلْقِ حَتَّىٰ يُرَاهِمُ۔

اور تیسری عرض اس دن کے لیے اٹھا رکھی جس میں تمام مخلوق الہی میری طرف نیاز مند ہو گی۔ یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

وَصَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

بیسٹی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ اربعیٰ اپنے رب سے عرض کی تو نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے رب عز مجد نے فرمایا۔

أَعْطَيْتَكَ خَيْرَ مَنْ ذَلِكَ رَأَىٰ قَوْلِهِ) خَبَأَتْ شَفَاعَتُكَ وَلَمْ أَخْبَاهَا
لِنَبِيِّ غَيْرِكَ۔

دل کی کوئی بھی آرزو نا تمام نہ رہے گی۔ اے محمد ہر شخص میری رضا تلاش کرتا ہے۔ میں آپ کی رضا

میں نے تجھے عطا فرمایا وہ ان سب سے بہتر ہے۔ میں نے تیرے لیے شفاعت چھپا رکھی۔ اور تیرے سوا دوسرے کو نہ دی۔

ابی شیبہ و ترمذی با فادہ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ و حاکم بحکم تصحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

وَإِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُنْتُمْ مَأْمُومًا مِّنَ النَّبِيِّينَ وَخَطِيبِهِمْ وَصَلَاةُ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ
قیامت کے دن میں انبیاء کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں گا
اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا۔

ابن مینع حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَسْبُ فَمَنْ لَّحِقَ يَوْمَئِذٍ مِنْ دِيَارِكُمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِهَا۔

میری شفاعت روز قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا۔ اس کے قابل نہ ہو گا۔
منکر مسکین اس حدیث متواتر کو دیکھے اور اپنی جان پر رحم کر کے شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

ماخوذ از سماع الاربعین فی شفاعتہ سیدہ المحبوبین ص ۱۳۰۵

کا خواہاں ہوں۔ آپ فرمائیں گے۔ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا ایک بھی گنہگار بغیر بخشش کے رہے گا۔

علمائے دین کہتے ہیں کہ آیت کریمہ۔

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت سے مخصوص ہے جب کہ قوم نوح کے لیے یوں خطاب

فرمایا گیا۔

يَغْفِرُ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ

اللہ تعالیٰ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے گا۔

نحو کے قاعدے میں لفظ "من" افادہ بعصیت کا اظہار کرتا ہے۔ یعنی "بعض ذنوبکم سے مراد کہ اللہ کا فضل ان پر شامل حال ہوگا۔ لیکن ان کے بعض گناہوں پر عدل و انصاف سے بھی کام لیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ رب غفور کی رحمت ہی گناہ گاروں کے لیے امید و بشارت بہم پہنچاتی ہے۔ کیونکہ مہمان عزیز ہوگا۔ اس لیے مہمان کے طفیلی بھی عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے

نومید نہ باشی گرت آں یار براند

گرت امروز برانت نہ کہ فروات نخواند

تو اس کی امت بن جا۔ اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے۔ تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی۔ یہ مشکل اس لیے ہے کہ ابھی تک درست نسبت قائم نہیں ہو سکی۔ جب نسبت قائم ہو جائے گی۔ تو اس کے لیے کوئی مشکل نہ رہے گی۔ صد ہزار گناہ ایمان مصطفیٰ کے پہلو میں پرگاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر انسان کے دل میں نور ایمان ہو تو ظلمت معصیت اس دل میں نہیں آسکتی۔ جسے غم ایمان ہے اسے دنیا کا کوئی غم نہیں۔

سفیان ثوریؒ کو دیکھا کہ ساری رات روتے گذر گئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں روتے رہے خوش رہا کرو۔ آپ کی گردن پر گناہوں کا بوجھ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ گناہ اگر پہاڑ کی طرح بھی آ جائیں تو اللہ کی رحمت کے سامنے پرگاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ مجھے رونا اس بات کا ہے کہ ایمان سلامت لے جا سکوں گا یا نہیں۔

ایمان چو سلامت بلب گور بریم
آنحسنت بریں چستی و چالاکی

— مقامات شفاعت

شفاعت کے متعلق چند نکتے ابھی تک تشنہ بیان ہیں۔ یہ بات دل نشین کر لینی چاہیے۔ کہ شفاعت کے متعدد مقامات ہیں۔ پہلے موقف میں یعنی میدان حشر میں اس مقام پر بڑی ہی ہیبت اور دہشت ہوگی۔ لوگ کھڑے کھڑے سخت ادیت اور شدت اٹھائیں گے۔ یہاں ان شدتوں کو کم کرنے کے لیے شفاعت ہوگی۔ دوسرے سوال اور حساب پیش ہونے کے وقت شفاعت سے آسانیاں پیدا کی جائیں گی۔ تاکہ کوئی مناقشہ نہ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ۔

مَنْ ذُكِرَتْ فِي الْحِسَابِ فَقَدْ عَذَّبَ

جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا۔ وہ عذاب میں گرفتار کیا گیا۔ تیسرے عذاب کے احکام جاری ہوتے وقت شفاعت کی جائے گی تاکہ قصور معاف فرمائے جائیں۔ چوتھے دوزخ کی آگ سے نکالتے وقت شفاعت کی جائے گی۔ تاکہ مزید معافی مل سکے۔ پانچویں جنت میں درجے بلند ہونے اور زیادہ ثواب دینے کے لیے بھی شفاعت ہوگی۔ جیسے کہ کسی مجرم کو بادشاہ کے سامنے لایا جائے وہ بارگاہ میں کھڑا ہوتے ہوئے ہیبت زدہ ہو جائے اور بارگاہ کا کوئی مقرب اٹھ کر سفارش کر دے اور بادشاہ حکم دے کہ اس مجرم کو بٹھا دیں۔ اور نرمی سے سوالات کریں۔ پھر کوئی اٹھ کر سفارش کرے اور بادشاہ حکم فرمائیں کہ اس سے حساب نہ لو اور اگر لینا ہی ہے تو نہایت شفقت سے گفتگو کی جائے بعض دفعہ یوں ہوتا ہے۔ کہ ثبوت گناہ کے بعد قید خانہ میں بھیجنے کا اعلان کر دیا جاتا ہے لیکن شفاعت کی وجہ سے اسے واپس لے لیا جاتا ہے۔ اور کبھی جیل میں بھیجنے اور عذاب کرنے کے بعد طویل قید سے رہائی دے دی جاتی ہے۔ اور بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ جیل سے نکالتے ہی کوئی منصب عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے ہر گنہگار کو یہ امید رکھنی چاہیے کہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اعلیٰ مناصب اور قرب و درجات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی شفاعت کرنے کے مجاز ہیں۔ اور کسی اہل دل نے کیا خوب کہا ہے

نصیب ماست بہشت سے اخذ شناس بر
کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تمام امت کے لیے عام ہوگی۔ بلکہ ساری مخلوقات کے لیے یہ شفاعت کی جائے گی۔ چنانچہ خاص کر مدینے والوں کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کی زائرین کے لیے اور حضور پر کثرت سے درود پاک پڑھنے والوں کے لیے یہ شفاعت خصوصیت کے ساتھ کی جائے گی۔

محققین نے شفاعت کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ رحمت خداوندی کے انوار کی شعاعیں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر انعکاس کرتی ہیں۔ اور آپ کے مقابلے اور نزدیک جتنے بھی دل ہوتے ہیں۔ ان پر بھی ان کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی کا عکس پانی پر پڑتا ہے۔ اور اس عکس سے جو چمک پانی میں پیدا ہوتی ہے اس کا عکس دیوار پر پڑتا ہے۔ تو پانی کی سطح کے مقابل ہو چنانچہ اشرف مقابلہ اور محاذات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دلوں کو متوجہ کرنے اور آپ کی اتباع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس عکس کے حصول کا سب سے مضبوط ترین سنت نبوی کی اتباع کو قرار دیا گیا ہے۔ جس قدر مطابعت قوی ہوگی۔ اسی قدر عکس زیادہ پڑے گا۔

مگر درجات تو شفاعت کے کئی ہیں۔ اور گناہوں کی بخشش کے لیے ایمان کا کامل ہونا شفاعت کی ضمانت ہے۔ اس ضمن میں کثرت درود پاک بر سید لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی موثر ترین چیز ہے۔

— جنت و دوزخ —

جنت و دوزخ کا بیان جس طرح آیات و احادیث میں آیا حق ہے۔ جنت اور دوزخ کے متعلق مختلف علمائے کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جنت آسمان پر ہوگی۔ یا تو آسمان چہام پر ہوگی یا ہفتم پر۔ لیکن آگ زمین کے نیچے ہوگی۔

ایک قول کے مطابق دوزخ بھی آسمان پر ہوگی۔

علمائے کرام کے ایک طبقہ نے ان مقامات کے بیان کرنے میں توقف سے کام لیا ہے۔ ان

کے نزدیک ان مقامات کے متعلق کوئی صریح نص نہیں پائی جاتی۔ ان مقامات کو اللہ ہی جانتا ہے۔ شرح مقاصد میں لکھا ہے۔ کہ جنت و دوزخ کے مقامات کے متعلق کوئی قطعی نص نہیں ہے۔ لیکن اکثر علمائے کرام کی رائے ہے۔ کہ بہشت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہوگی۔ اور دوزخ ساتویں زمین کے نیچے ہوگی۔ مشکل بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ کہ :

وَجَنَّتْ تَحْتَهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ۔

جنت کا عرض آسمان و زمین کی پینائیوں کے برابر ہوگا۔ جب جنت کی وسعت کا یہ عالم ہو۔ تو اس کا زمین یا آسمان پر مکان متعین کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب مفسرین نے یوں دیا ہے۔ کہ جنت کا عرض جب آسمان و زمین کے برابر ہوگا۔ زمین و آسمان آپس میں چوڑے ہوں۔ مگر امر واقعہ ایسا نہیں۔ سب توجیہات سے بہترین توجیہ یہ ہے کہ چونکہ عقل انسانی کے سامنے آسمان و زمین سے کوئی چیز بھی وسیع تر اور عریض تر نہیں ہے۔ لہذا جنت کی وسعت کا مسالغہ بیان کرنے کے لیے زمین و آسمان کی تمثیل پیش کی گئی ہے۔ اس کی حدود متعین کرنا مقصود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنت کی وسعت خداوند تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ جنت کا ایک چھوٹا سا گھر زمین و آسمان کی وسعتوں کے برابر اور زیادہ ہو سکتا ہے۔

— اعراف

اعراف اس مقام کو کہا جاتا ہے۔ جو جنت و دوزخ کے درمیان ہے۔ نہ اس میں جنت کی راحت ہوگی۔ اور نہ دوزخ کی سہی شدت تکلیف۔ اعراف کا وجود صحیح نقل اور قطعی نص سے ثابت نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بچوں اور ان لوگوں کے لیے جن کی زندگی میں نزول وحی نہیں ہوئی۔ اعراف میں رکھنے کا اعلان فرمایا ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اعراف کا وجود حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اور علما کرام بھی اس کے قائل نہیں ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیت :

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ۔

اس سے جنت و دوزخ کی دیواروں اور بلندوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو جنت و دوزخ کے درمیان واقعہ ہیں۔ اور رجال سے پیغمبر اور شہداء اور نیک مومن علمائے کرام اور فرشتے مراد

ہیں۔ جنتی اور دوزخی ان کی پیشانی کے نشانات سے پہنچانے جائیں گے۔ اور خطاب فرمائیں گے۔
 وَهَمَّا مَخْلُوقَتَانِ مَوْجُودَتَانِ -

دوزخ اور جنت پیدا ہو چکے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ قیامت کے دن پیدا کیے جائیں گے۔ حضرت آدم اور حضرت حوا کا واقعہ جنت کے قیام و وجود میں بڑی نکتہ دلیل ہے۔
 بِأَقْيَانٍ وَلَا يَفْتَنَانِ وَلَا يَفْنَىٰ أَهْلُهُمَا -

بہشت اور دوزخ۔ اہل بہشت اور اہل دوزخ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اور باقی رہیں گے۔
 جب سب لوگ ایک دفعہ مر گئے پھر زندہ ہو کر اب تک زندہ رہیں گے۔ جنت و دوزخ میں کسی کو موت نہیں آئے گی۔ اسی واسطے فرمایا گیا۔

وَحَلَقْتُكُمْ لَّا بَدَ -

میں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے۔

— قیامت کے متعلقات

حضور علیہ السلام نے قیامت کے متعلق جتنی کیفیتیں بیان فرمائی ہیں۔ وہ سب برحق ہیں۔ جو خبریں محضر صادق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے علامات کے سلسلے میں بیان فرمائی ہیں۔ وہ ساری کی ساری برحق ہیں۔ سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا۔ توبہ کا دروازہ بند ہونا۔ و جبال اور وابت الارض کا نمودار ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر سے اترنا۔ اور صوم

لہ تمام اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے نزدیک دنِ ذیابہ

تشریف لائیں گے۔ و جبال کو قتل کریں گے۔ احادیث میں اس عقیدے کی وضاحت کی گئی ہے

اس کے برخلاف چوبہدویں صدی میں ایک فرقہ مرزا قادیان کا پنجاب میں پیدا ہوا۔ اس نے جھوٹا

دعویٰ کیا کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نہیں آویں گے وہ فوت ہو چکے ہیں۔ انکا مشیل مرزا غلام احمد قادیانی آیا

ہے۔ علمائے کرام نے صدہا کتابوں سے اس کے اس دعویٰ کا رد کیا۔ اب کئی سال سے مرزا غلام احمد

ہی مرگیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے ارشاد نبوی کے مطابق بذات خود حضرت عیسیٰ علیہ

السلام آسمان سے اتریں گے۔ اور امام مدنی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ (محمد مشتاق الملک مٹھیوی حنفی حنفی

مترجم تکمیل الایمان صفحہ نمبر ۳۴ مطبوعہ مطبع مجتہبی دہلی ۱۳۳۱ھ)

کا پھونکا جانا۔ اور اس کے علاوہ تمام حالات قیامت کا برپا ہونا۔ حتیٰ کہ جنت میں داخل ہونے تک ساری باتیں حضور علیہ السلام نے بیان فرمادی ہیں۔ حضور صلی اللہ وسلم کی ہر خبر اور حکم ہی سچا اور برحق ہے یہاں ہم نے اجمالی طور پر چند چیزیں لکھ دیں ہیں۔ مگر تفصیلی طور پر احادیث کی کتابوں میں ساری خبریں موجود ہیں۔

— ایمان بالقلب تصدیق بالایمان

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ وسلم کی رسالت کا قلبی طور پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کا زبان سے اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔ دل سے یقین کرنا ایمان کی حقیقت ہے۔ اور زبان سے تصدیق کرنا ایمان کی علامت ہے۔ کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے اور زبان کے اقرار کے بغیر دل کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ ظاہری احکام کا جاری کرنا زبان ہی کا کام ہے۔ اگر کوئی انسان گونگا ہو۔ یا کوئی شخص زبردستی سے کوئی کلمہ کفر کھلائے۔ مگر اس کے دل میں ایمان ہو۔ مگر قلبی یقین کے باوجود اسے زبانی اقرار کی فرصت نہیں ملی اور اس سے پہلے ہی موت نے آیا۔ تو ایسی صورت میں زبانی اقرار شرط ایمان نہیں۔

اہل حدیث کے نزدیک ایمان تصدیق بالقلب اور اقرار بلسان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ الا ایمان تصدیق بالقلب و اقرار باللسان میں یہی بات ہے۔ ایمان اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ راستی کے ساتھ حضور علیہ السلام پر اعتقاد رکھا جائے۔ احکام پر عمل کیا جائے۔ اور زبان سے اعلان کیا جائے۔ ان تینوں کے بغیر ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔

اس نظریہ میں حقیقتاً کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔ ایمان کامل وہی ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ ایمان بے عمل ناقص ہوتا ہے۔ لیکن اصل ایمان تو تصدیق بالقلب ہی ہے۔ ایمان اس درخت کی طرح جاننا چاہیے جس کا تنہ تصدیق ہے۔ اعمال و طاعات اسی تصدیق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جس درخت کی ٹہنیاں۔ پتے پھل پھول اور برگ و بار نہ ہوں۔ حقیقت میں وہ درخت کھلانے کا مستحق نہیں ہے۔ لیکن کارآمد درخت وہی ہوتا ہے۔ جس کے برگ و بار بھی ہوں۔ اسی طرح ایمان کامل وہی ہے جو نیک اعمال کے برگ و بار سے پر رونق ہو۔ بے عمل ناقص ایمان ہوگا۔ ناقص ایمان کو بھی ایمان ہی کہا جائے گا۔ قرآن پاک میں اکثر جگہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو ملا یا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ -

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصل ایمان کی تصدیق ہے۔ اور عمل صالح جدا چیز ہیں۔ اگر ایمان کو کامل کرنے والا یہی عنصر ہے۔ اس کی مثال یوں ذہن نشین کرنی چاہیے کہ فلاں کے پاس یہ چیز بھی ہے۔ اور وہ بھی۔ اس سے یہ سمجھا جائے گا۔ کہ اس کے پاس دونوں چیزیں ہیں۔ مگر وہ دونوں جدا جدا ہیں۔ چنانچہ دونوں کو ایک کہنا درست نہیں۔ اور جو دونوں کو یکجا جمع کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیے کہ نبی علیہ السلام کو صرف سچا نبی جان لینے کا نام ہی ایمان نہیں بلکہ دل سے اس کی تصدیق کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ علم اور چیز ہے اور تصدیق اور چیز ہے تصدیق سے مراد اذعان اور قبول کرنا لینا ہے۔ اسے فارسی میں "گرویدن" کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں دل رنگ قبول سے رنگا جاتا ہے۔ اور نور یقین سے منور ہو جاتا ہے۔ علم صرف جانتے کو کہتے ہیں۔ تمام کفار عرب علی الخصوص، یہودی تو حضور علیہ وسلم کو سچا نبی جانتے تھے۔ اور یہ علم اتنا مضبوط تھا۔ جیسے کہ وہ اپنے بیٹے کو پہچان رہے ہوں۔

يَعْرِفُونَكَ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ -

وہ (نبی علیہ السلام کو) ایسے پہچانتے ہیں۔ جیسے اپنے بیٹوں کو۔

حضور علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبریں۔ آپ کی صورت و سیرت۔ عادات و خصائل نام و نشان مقام پیدائش یہودیوں کے کتابوں میں لکھا تھا۔ ان کی زبانوں پر جاری تھا۔ بہت سے یہودی اسی انتظار میں دنیا کے مختلف ممالک سے اٹھ کر مدینہ پاک میں آباد ہو گئے تھے۔ اور اپنی عین اسی شوق میں گزار دیں اور مرنے سے پہلے اپنی اولاد کو یہ وصیت کرتے رہے۔ کہ اگر نبی آخر الزمان تشریف لائیں تو ہمارا سلام پہنچاؤ۔ ہمارے اسلام لانے کی خواہش کا اظہار کرو۔ غرضیکہ یہود سے بڑھ کر حضور کے متعلق کسی دوسرے فرقے کو علم نہ تھا۔ مگر جب نبوت کا آفتاب جہاں تاب طلوع ہوا۔ یہودیوں کی شقاوتِ ازلی نے ان کی عقلوں پر پردے ڈال دیئے۔ اور حسد و عناد سے حقیقت حال کو نہ پاسکے۔ کفر و انکار کے گڑھوں میں گر گئے۔ اور نجات کی ساری راہوں سے محروم ہو گئے۔

اس سے یہ بات بھی سامنے آجاتی ہے۔ کہ علم و عقل بجز عنایتِ الہی اور ہدایتِ خداوندی کے

کسی کام نہیں آتے۔ اور اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔

وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا۔

انہوں نے ظلماً انکار کر دیا۔ غرور و حسد سے گمراہ ہو گئے۔ حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔

فَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَ قَلْبٍ لَا يَخْتَمِعُ۔

ہم اس علم سے پناہ مانگتے ہیں جو نفع نہ دے۔ اور اس دل سے جو خدا سے نہ ڈرے۔

۵۔ علمے کہ راہ بحق نہ نماید جمالت است

وَهُوَ لَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ

ایمان میں کمی و بیشی نہیں ہوتی)

جب یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ ایمان کی حقیقت قلبی تصدیق کا دوسرا نام ہے۔ تصدیق قلبی تو ایک ہی ہوا کرتی ہے۔ اس میں تعدد کا دخل نہیں۔ تو پھر ایمان میں بیشی و کمی بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کمی و بیشی بھی تو ایک عدد ہے۔ جس میں کثرت و تعدد پائی جاتی ہے۔ اگر تصدیق کے باوجود اعمال کو بھی داخل ایمان کر لیا جائے۔ تو پھر عمل کی زیادتی اور کمی کو بھی ایمان پر اثر انداز ہونا ماننا پڑے گا۔ چونکہ ایسا نہیں۔ پس یہ بات بھی نہیں۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول:

وَلَا يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ

بلا اشکال و اشتباہ درست ہے۔ حقیقت میں یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اعمال ایمان کا

حصہ نہیں ہیں۔ اور یہی اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے۔

— ایمان اور اسلام

ایمان اور اسلام ایک ہی چیز ہے۔ لیکن ایمان کے مفہوم سے مراد تصدیق قلبی ہے۔ اور حال

باطن ہے۔ اور اسلام ظاہری اعمال کے اتباع اور العقاد کا دوسرا نام ہے۔ آیتہ کریمہ ملاحظہ ہو۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا۔

اعرابیوں نے کہا۔ ہم ایمان لائے۔ اے محمد آپ انہیں فرمادیں۔ تم ایمان تو نہیں لائے۔ (یعنی

دل سے تصدیق نہیں کی) لیکن یہ کہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ یقین ظاہری احکام کے فرمانبردار ہے۔

اس حکم سے مراد یہ ہے کہ ہر مومن مسلمان ہے۔ اور ہر مسلمان مومن ہے۔ اس میں کسی قسم

کی مغایرت نہیں ہے۔

— اقرار ایمان بلفظ انشاء اللہ

علمائے کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ کہ آیا یوں کہنا کہ میں انشاء اللہ مومن ہوں درست ہے یا نہیں۔ علمائے احناف نے ایسا کہنے سے منع کیا ہے۔ مگر علمائے شافعیہ جائز قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر انشاء اللہ سے مقصد کسی قسم کے شبہ یا تردید کا اظہار ہے۔ تو حنفیہ کا فیصلہ درست ہے۔ اور اگر اللہ کا نام تبرکاً یا تینٹا لیا گیا ہے۔ تو شافعیہ کا فیصلہ بھی درست ہے۔ مقصود یہ ہے کہ عجب وغرور دور کیا جائے۔ اور ان تمام شبہات کو ذہن سے دور رکھا جائے۔ کیونکہ شبہات و تردید ایمانی تصدیق کے منافی ہیں۔

أَوْلِيكَ يَوْمَئِذٍ حَقًّا سے مراد یہی ہے۔ بلاشک و شبہ ایمان کا اقرار کیا جائے۔ غرضیکہ بعض وجوہ میں کلمہ انشاء اللہ کہنا درست ہے۔ مگر بہتر یہ ہے۔ کہ نہ کہا جائے۔ تاکہ شک و تردید کا احتمال بھی نہ ہونے پائے۔

— ایمان بالجبر

إِيمَانُ الْبَاسِ غَيْرَ مَقْبُولٍ۔

باس دراصل شدت اور عذاب کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ عذاب و شدت ہے جو سحکرات موت و معائنہ احوال آخرت سے پیدا ہوں۔ احادیث میں تو اتنے کے ساتھ یہ بات آئی ہے۔ کہ موت کے وقت ہر شخص کو اپنا مال نظر آجاتا ہے۔ مومن اپنی آنکھوں سے بہشت اور کافر دوزخ کو دیکھ لیتا ہے۔ اگر کافر ایسی حالت میں ایمان لائے گا۔ تو قابل اعتماد و اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ایمان تو انسان کے غیب اور اختیار سے لانا چاہیئے۔ انسان کے قصد بہتمثال امر۔ اور اطاعت فرمان الہی کا بڑا دخل ہے۔ مگر ایسی حالت میں ایمان لانا ایمان بالغیب نہیں کہلاتا ہے۔ بلکہ اضطراری حالت میں ہوتا ہے۔ قیامت کے دن تمام کافر فریاد کریں گے۔

رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ۔

اے اللہ۔ ہماری آنکھیں بنیا ہو گئیں۔ کان سننے لگے ہیں۔ اور یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ تیرے پیغمبروں نے دنیا میں خبریں دیں۔ اور تیری کتابوں میں لکھا تھا۔ وہ درست تھا۔ ہمیں ایک بار پھر دنیا میں بھیج دے۔

تاکہ ہم ایمان لائیں۔ اچھے کام کریں۔ اور ثواب کے مستحق بنیں۔
تمام اہل حق اس مسئلہ پر اتفاق رائے رکھتے کہ "ایمان باس" مقبول نہیں ہے۔ حدیث پاک میں
آیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يَغْيِرْ غَيْرَ غَمْرَةٍ
اللہ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غمغره کی توبت نہ آجائے۔
غمغره موت کی حالت۔ سکرات کی شدت۔ اور روح کا حلق میں سختی برپا ہونا۔

قرآن پاک نے اسے یوں بیان فرمایا ہے۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا دَاوَبَّا سِنًا۔

یعنی باس و عذاب دیکھتے وقت ایمان لانا نفع بخش نہیں ہوتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ

إِذَا أَحْضَرُوا أَحَدَهُمُ الْمَوْتَ قَالَ إِنِّي تَبْتُ الْآنَ۔

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت ان کے سر پر آجاتی ہے۔

اور کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔

اس آیت کے ساتھ یہ استدلال اور واضح ہو جاتا ہے۔ پہلی آیت میں یہ احتمال ہے کہ رویت باس

سے قیامت کی نشانیاں مراد ہیں۔ جیسے مغرب سے آفتاب نکلنا۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو اسی

انداز میں پیش کیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات صریحاً ثابت ہو جاتی ہے۔ موت کے ڈر سے قبول

توبہ و ایمان قابل قبول نہیں ہے۔ مگر جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ گناہ و معاصی سے توبہ بھی موت کے

خوف کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ علمائے اشاعرہ مابریہ اور دوسرے فقہاء کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ مگر

اکثر علمائے کرام مرض الموت یا خوف موت کی توبہ کو قابل قبول جانتے ہیں۔ مگر ایمان باس باجماع قابل

قبول ہے۔

— ایمان و توبہ باس

اوپر کی بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اجماع امت اسی پر ہے کہ فرعون کا ایمان جس کا اقرار

جو غرقابی کے وقت کیا گیا تھا، قابل قبول نہیں۔ کیونکہ غرقابی کے وقت زندگی خطرے میں تھی۔ اور یہ

اضطراری ایمان پائیدار نہیں ہو سکتا۔ تمام علمائے امت۔ مجتہدین، مشائخ اور مقتدایان امت کا اعتقاد یہی ہے۔ چنانچہ شرع کی اصطلاح میں ہر جگہ ایسا ایمان مذموم۔ مقبوح اور کفر و استکبار کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ آیات قرآنی اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ کہ فرعون کافر تھا، قیس تھا۔ اور جنہمی تھا۔

فَاخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْأَخْرَةِ وَالْأُولَىٰ -

ہم نے اسے پھپھوں اور سپوں کے لیے عبرت بنا دیا ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا۔

يُقَدِّمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا وَّرَدَهُمُ النَّارَ -

جو شخص بھی لغت عرب کو جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے۔ کہ یقیناً قوم کا معنی یہی ہے۔ کہ وہ اپنی قوم سمیت جہنم میں جائے گا۔ وہ اپنی قوم کا پیشوا اور سردار ہوگا۔ حدیث پاک میں زمانہ جاہلیت کے معروف شاعر امر القیس کی مذمت میں ارشاد ہوا ہے۔

يُقَدِّمُ الشُّعْرَاءَ إِلَى النَّارِ -

وہ جہنم میں جانے والے شعرا کی پیشوا کرے گا۔ ایک اور جگہ فرمایا۔

رَأْسُكَ بَرُّهُ وَجُودُهُ فِي الْأَرْضِ بَغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ لَنَا لَا يَرْجِعُونَ -

فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ تکبر کیا۔ زمین پر ناحق گماں کرتے تھے۔ کہ ان کا لشکر بڑا مضبوط ہے۔ مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ انکا مال اور بازگشت اس ذوالبطش شدید قہار کی طرف ہے۔

چنانچہ کافر بھی اسی غلط گمان میں مبتلا ہیں۔

فَاخَذْنَا هُوَ وَجُودَهُ فَجَبَدْنَا هُمْ فِي الْيَسْرِ -

ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو قہر و عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اور انہیں دریائے نیل کی موجوں کے حوالے کر دیا۔

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ -

تم دیکھو کہ ظالمین کی عاقبت کیسے ہوتی ہے۔ پھر مزید فرمایا۔

وَجَعَلْنَا هُمْ آيَةً يُدْعَوْنَ إِلَى النَّارِ -

ہم نے فرعون اور اس کے لشکر کو دوزخیوں کا امام اور پیشوا بنا دیا۔ اور وہ انہیں پکارتے ہوں گے

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ -

انہیں قیامت کے دن کوئی مدد نہیں ملے گی۔ بلکہ وہ مطرود اور مردود ہوں گے۔
 وَاتَّبَعْنَا هُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ

ہم نے اس دنیا میں ان کے لیے لعنت مقرر کی ہے۔ اور ان کا لشکر رسوا ہوگا۔
 قرآن پاک کی ان آیات سے فرعون کا حال و مال بخوبی معلوم ہو گیا ہے۔ اگر وہ مسلمان یا پاک
 ہو کر مرتا تو قرآن اسے ان الفاظ میں یاد نہ کرتا۔ اگر یہ بات مان لی جائے۔ کہ یہ استکبار و ظلم کی سرگذشت
 محض اس کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ تو پھر بھی ہمیں قرآن کے اس قول کے سامنے۔

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ۔

فرعون اور اس کا لشکر قیامت کے دن رسوا ہوں گے۔ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اضطراری حالت
 میں اس کا ایمان قابل قبول نہیں تھا۔ عقل و وجدان قطعاً یہ تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ فرعون اللہ کے نزدیک سچا
 مومن ہے۔ اس کی زندگی کے ایک کارنامے کی تعریف نہیں ملتی۔ اس کی آخرت کے اچھا ہونے کا بھی
 کہیں ذکر نہیں ملتا۔ کہ ہمارا فلاں بندہ زندگی بھر تو فسق و فجور میں مبتلا رہا۔ مگر آخر کار ہمارے فضل و رحمت
 سے درست ہو گیا۔ ہر جگہ فرعون کی مذمت ہی پائی جاتی ہے۔ اور ملامت کے الفاظ ملتے ہیں۔ اس
 کے ایمان لانے یا اسلام قبول کرنے کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ اس آیت پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔

وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ

حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْعَرَقُ قَالَ آمَنْتُ إِنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ

یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا۔ تو کہنے لگا۔ میں ایمان لایا۔ کیونکہ اللہ کے بغیر میرا کوئی معبود نہیں

جسے بنی اسرائیلی اپنا معبود بنائیں۔ میں مسلمانوں سے ہی ہوں۔

اس آیت کریمہ کے سابق و سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظالم عمر بھر تک بڑے غرور اور اصراف میں
 غرق رہا۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اس کے اور اس کے لشکر کے لیے عذاب کی درخواست
 کی۔ جب وہ زندگی سے مایوس ہو گیا۔ اور عذاب الہی کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا۔ تو زبان
 سے اسلام کا اقرار کرنے لگا۔ حکم ہوا کہ اس وقت ایمان کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔ اختیار ہاتھ سے جاتا
 رہا ہے۔ وہ تمہارا کفر و فساد کہاں گیا۔ آج ہم تجھے دنیا پر بھی رسوا کریں گے۔ اور تیری نعش کو دریا سے
 نکال کر تماشا گاہ عالم بنائیں گے۔ تاکہ لوگ اس سنگین مال سے عبرت حاصل کر سکیں۔ خدا اور رسول کے

ساتھ غزور اور سرکشی کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ذلت و رسوائی ہوتی ہے۔
 فَآخِذْكَ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ وَإِنِّي لَعِبْرَةٌ لِّمَن يَخْشَىٰ
 اللہ نے فرعون کو دنیا و آخرت کے عذاب میں گرفتار کیا۔ اسی میں عبرت ہے ^{فہم} والے کیلئے۔
 — حضرت آسیہ رضی

یہ خیال کہ حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا تھا۔
 قُرَّةَ عَيْنٍ لِّيَ وَ لَكَ لَا تَقْتُلُوهُ۔

یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے قتل نہ کرو۔ حضرت آسیہ کا محض گمان و
 خیال تھا۔ اس واقعہ میں اللہ کی حکمت یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام ظالم کے ہاتھ سے خلاصی پائیں۔ اور
 ہلاک نہ ہو جائیں۔ کیونکہ فرعون اس وقت کسی زینہ اولاد کو زندہ چھوڑنے کے حق میں نہیں تھا۔ حضرت
 آسیہ نے آپ کو بچانے کی ایک تدبیر بنائی۔ اور حضرت آسیہ کی اس فراست و الہام نے حضرت موسیٰ
 علیہ السلام کا نبی و مرسل ہونا معلوم کر لیا تھا۔

فَالْتَفَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا۔

پیدا ہونے کے بعد آل فرعون نے حضرت موسیٰ کو اٹھایا۔ تاکہ ان سے دشمنی نہ کر سکے۔
 اس عداوت سے مراد وہ عداوت ہے۔ جو نفس الامر میں ہوا کرتی ہیں۔ اگر فرعون مسلمان ہو کر مرتا
 تو یہ عداوت دائمی نہیں ہوتی تھی۔ قرآن پاک کے علاوہ احادیث میں فرعون کی مذمت پائی جاتی ہے۔
 ساری امت کا اجماع اسی پر ہے۔ صحابہ تابعین رضی اللہ عنہم۔ علماء مجتہدین مشائخ متقدمین و متاخرین
 رحمۃ اللہ سے بکثرت ثابت ہے۔ کہ وہ کافر مرا۔ اگر اس کا خاتمہ بالخیر ہوتا تو اس کا کفر و طغیان ضرب
 المثل نہ ہوتا۔

— فرعون اور ابوجہل

جب غزوہ بدر میں ابوجہل لعین مارا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا كَتَفِرْعَوْنَ هَذِهِ الْأُمَّةَ۔

اس امت کا فرعون مارا گیا۔

اگر فرعون پاک ہوتا تو اس کے ساتھ ابوجہل جو قطعی دوزخی تھا۔ کی تشبیہ نہ دی جاتی۔ اگر یہ شبہ

کیا جائے کہ یہ تشبیہ اس کفر و تکبر کی بنا پر ہے۔ جو اس کی زندگی میں رونما ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں کہیں نہیں آیا کہ ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کے بعد سابقہ کفر و بغاوت کی تشبیہیں دی جائیں۔ کیونکہ اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ قریش کے بہت سے رؤساء جنہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کی عداوت میں ضائع کیا۔ ایمان لانے کے بعد وہ دنیا سے ایمانی دولت کو ساتھ لے گئے۔ شریعت میں ان کے زندگی کے حالات کے متعلق کہیں بھی مذمت یا بھجونسلی ملتی۔

قرآن پاک نے خصوصیت کے ساتھ فرعون کے کردار کو مکروہ انداز میں پیش کیا ہے۔ مثلاً: "میں سے کسی نے بھی اسے مومن نہیں جانا۔" صرف شیخ محمد الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "فصوص الحکم" میں مومن قرار دیا ہے۔ ان کا یہ خیال اگر ایمان باس کے قبول ہونے پر مبنی ہے۔ تو اجماع کے خلاف ہے۔ اور اگر وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ فرعون کی حالت "باس" کے ضمن میں نہیں آتی۔ تو یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ دریا میں غرقابی کا علم اور موت کی قریبی کا احساس سے بڑھ کر کیفیت اضطراب کہاں ہو سکتی ہے۔ جب اجماع سے فرعون کا کفر ثابت ہے اور حالت "باس" کی نفی کرنا ایمان کے ثابت کرنے کے لیے بیکار ہے۔ خود شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں فرعون کی مذمت بیان کرتے ہوئے سخت کافر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"دوزخ میں مراتب و درجات ہیں۔ بعض ایک دوسرے کی نسبت شدید ہیں۔ ایک حصہ کفر اور مغرور لوگوں کے لیے ہے۔ جیسے فرعون وغیرہ کہ اشد کافر ہیں۔"

مگر فصوص میں اس عبارت کے خلاف ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ فصوص میں آیت قرآنی:

حَتَّىٰ إِذَا آدَرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ أَصْنَتْ

کو بنیاد بنا لیا گیا ہے۔ مگر تحقیق اور معتقد علیہ خیال ابن عربی کے ہاں بھی وہی ہے۔ جو فتوحات مکیہ

میں ہے۔

— ابن عربی اور ایمان فرعون

اگر ابن عربی کے ہاں فرعون کا ایمان درست ہوتا تو امت رسول کے تمام اہل علم اجماع ملت کے نظریہ کے خلاف کس طرح اسے صاحب ایمان قرار دے سکتے ہیں۔ دلائل شرعیہ میں اجماع

تو قطع دلیل ہوتی ہے ۔

بہر حال ہمیں حیرت ہے ۔ کہ اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا جائے ۔ یہ تو ہونہیں سکتا کہ تغافل و انماض سے کام لیتے ہوئے تکلفاً شیخ ابن عربی کے قول کو اجماع امت کے مطابق مان لیا جائے ۔ اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمام آئمہ دین کے برعکس حضرت ابن عربی کا ایک قول تسلیم کر لیا جائے ۔ اور موجودہ زمانہ کے بعض نادانوں کی طرح اسلام کے پیشواؤں کے بالکل خلاف جاتے ہوئے فرعون کو مومن تسلیم کر لیا جائے ۔
 نعوذ باللہ من الخلل والزلل ۔

انبیاء علیہم السلام کے بغیر دنیا میں کوئی بھی معصوم عن الخطائیں ہے ۔ کسی سے اجتناد میں خطا ہو بھی جائے ۔ تو کیا نقصان ہے ۔ مذہبوں کے امام دین کے پیشوا جن کی تمام عالم اسلام اتباع کرتا ہے ۔ ان سے بھی دینی مسائل میں کئی جگہ غلطی سرزد ہوئی ہے ۔ ایسی غلطی اجتنادی غلطی کہلاتی ہے ۔ اگر شیخ ابن عربی سے ایک مسئلہ میں اجتنادی خطا ہو گئی ہے ۔ تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑی ۔ ہمیں حیرانی تو اس بات پر ہے کہ اجماع امت کے برخلاف صرف ایک شخص کی رائے پر مسئلہ کو کس طرح تسلیم کر لیا جائے ۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہے ۔ کہ ساری امت میں ایک ہی ذات حق بات کہہ سکتی ہے ۔ تو اس کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہوگی ۔ محض تقلید اور اتباع مطلوب ہے ۔ تو دوسرے مجتہدین کی اتباع اور تقلید بھی نظر انداز نہیں ہونی چاہیے ۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت شیخ ابن عربی صاحب کشف و یقین ہیں ۔ حقائق و دقائق اور معارف کا سرچشمہ ہیں ۔ اور ان سے شرعی مسئلہ میں غلطی ناممکن ہے ۔ اور انہوں نے جو کچھ رائے قائم کی ہے ۔ بلا کمی بیشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے ۔ تو یہ ایک علیحدہ بات ہے ۔ اس مقام پر ہم دم بخود ہیں ۔

شیخ کے حقائق و معارف اپنی جگہ پر درست اور کسی عامی آدمی کو حق نہیں کہ وہ دم مارے ۔ مگر یہ توفیق کا مسئلہ ہے ۔ اس میں صحیح قیاس اور دلیل کی ضرورت ہے ۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے ۔ کہ انسان گمراہ و خطا کا پتلا ہے ۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی خطا و خلل سے معصوم نہیں ۔ آخر آپ نے فتوحات میں فرمایا ہے ۔ اور آپ کے تمام تابع اس قول کو نقل بھی کرتے آئے ہیں ۔ کہ قرآن کریم میں کوئی آیت دائمی عذاب کے لیے نازل نہیں ہوئی ۔ اور آگ میں داخل ہونا بھی تو عذاب کو مستلزم ہے ۔ پس آگ میں ہمیشہ انتہا بھی عذاب کو مستلزم نہ ہوا ۔ حالانکہ قرآن حکیم میں دائمی عذاب کا ذکر ہے ۔

بہت جگہ آیا ہے:

وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خَالِدُونَ . وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

سورہ فرقان میں ہے:

وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا . ہمیشہ عذاب میں ذلیل ہو۔

سورہ الم سجدہ میں ہے:

وَذُوقُوا الْعَذَابَ الْخُلْدَ . ہمیشگی کے عذاب کا مزہ چکھو۔

سورہ زُحُوف میں یوں ہے:

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابٍ

جَهَنَّمَ خَالِدُونَ . بیشک مجرم ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کے علم و کمال کے باوجود خلود عذاب کا فائل نہ ہونا شیخ کی بھول نہیں تو اور کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اعتقاد کے معاملہ میں سوادِ اعظم کے ٹھوس نظریہ سے ہمیں جدا نہیں رہنا چاہیے

اور ائمہ مجتہدین کے تابع ہونا چاہیے۔ خاص کر ان مسائل میں جس میں ساری امت کا اجماع ہے۔ اور اتفاق ہے۔ علیحدہ نہیں جانا چاہیے۔ ہاں آداب و اخلاق میں مشائخ کا اتباع نہایت ضروری ہے اور ان پر حسن ظن سے اعتقاد رکھنا چاہیے اور اور کوشش یہ ہونی چاہیے۔ کہ ان کے کلام کو علما و مجتہدین سے مطابقت دی جائے۔ ریاضت و مجاہدہ میں پوری ثابت قدمی سے کام لینا چاہیے۔ اگر استعداد کامل ہے نیت صادق ہے۔ اور مجاہدہ قوی ہے۔ تو انوار و احوال خود بخود کھل جائیں گے۔ اس میں کسی قسم کا تکلف۔ تصنع اور تقلید کی ضرورت نہیں۔

شیخ ابن حجر مکی کی رائے

شیخ ابن حجر مکی اپنی کتاب زواجر میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے تحت۔

قَلَمَ تَنْكَ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْ بَا سَنَا

(جب وہ ہمارا عذاب دیکھ لیں گے۔ تو انہیں ایمان کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ تمام علمائے امت اور مجتہدین نے فرعون کے کفر پر اجماع کیا ہے۔ اگر کسی کے نزدیک اللہ پر ایمان لانا معتبر بھی ہو تو بھی اجماع کے اعتقاد میں شک نہیں۔ کیونکہ صرف اللہ پر ایمان لانا۔ اور رسول خدا کو نظر انداز کر دینا

ایمان کے لیے کافی نہیں۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ فرعون اللہ پر ایمان لے آیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا تھا۔ تو ایسا ایمان پھر بھی اس کے لیے مفید نہیں۔ اگر کوئی کافر بار بار بھی۔

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتَ بِهِ الْمُسْلِمُونَ
کتنا پھرے۔ جب تک اَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ نہ کہے گا مومن نہیں کہا جاسکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرعون کے جادو گر بھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کا ایمان کیونکہ مقبول ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جادو گروں نے کہا تھا۔

أَمَّا رَبِّ الْعَالَمِينَ رَبِّ هُنِي وَهَادُونَ۔

ہم تمام جہان کے پالنے والے پر ایمان لائے۔ کیونکہ وہ موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ تو ایمان کی نسبت موسیٰ و ہارون کے رب کی طرف کرتے ہوئے موسیٰ و ہارون پر ایمان لانا ثابت ہو گیا۔ فرعون نے تو حضرت موسیٰ کی طرف کوئی نسبت نہیں رکھی۔ اور کہا۔

الَّذِي آمَنْتَ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ

(وہ خدا جس پر نبی اسرائیل ایمان لائے)

دوسری بات یہ بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ جادو گر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ اور معجزہ موسیٰ پر رسول کے معجزہ پر ایمان لانا عین رسول پر ایمان لانا ہے۔ جادو گر صرف حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے۔ مگر فرعون کے کلام میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان اشارتاً بھی نہیں پایا جاتا۔ وہ بنی اسرائیل کا اقرار تو کرتا رہا۔ مگر حضرت موسیٰ کے ساتھ اس کا کفر بدستور رہا۔ جس کی وجہ سے وہ کافر ہی رہے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ بعض صوفیاء نے لکھا ہے کہ عذاب دیکھنے کے وقت ایمان لانا بھی مفید ہے تو فرعون کے کفر پر اجماع کا دعویٰ کیسے قابل قبول ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ اول تو صوفیاء کی ایسی تحریریں صحیح نہیں۔ اور اگر بعض مجتہد صوفیاء نے ایسا لکھا ہے تو وہ قابل اعتماد ہے۔ مگر اجماع امت کے سامنے فرعون کے ایمان پر ان کے اقوال کو نظر انداز کرنا ہو گا۔ کیونکہ فرعون پر صرف حالت اضطرار میں ایمان لانے کی وجہ سے کفر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ اس نے حالت باس و اضطرار میں حضرت موسیٰ پر ایمان لانا گوارا نہ کیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن عربی ایمان اضطراری کی صحت کے قائل ہیں۔ اور انہوں نے فرعون کے

ایمان کو اسی اجتہاد سے تسلیم کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ابن عربی سے مسلم اور مقرر نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں ابن عربی کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ انبیاء کے علاوہ کوئی شخصیت بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ آیات و احادیث تو اتر کے ساتھ ایمان باس کو ناقابل قبول قرار دیتی ہیں۔ ان آیات و احادیث کے ہوتے ہوئے کسی تاویل کی ضرورت محسوس نہیں کی جاسکتی۔ آئمہ، صحابہ، تابعین اور مجتہدین نے حدیث و اجماع سے اتفاق کیا ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ ایمان باس صحیح نہیں تو فرعون کا ایمان نہ لانا بھی ثابت ہے۔ اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ایمان باس صحیح ہے۔ تو بھی فرعون کا ایمان موسیٰ و ہارون پر نہیں تھا۔ لہذا محض ایمان باللہ تو قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

— گناہ کبیرہ سے ایمان ساقط نہیں ہوتا

گناہ کبیرہ مومن کو ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ کہ ایمان کی اصل تصدیق قلبی ہے۔ اور اعضاء کے اعمال ایمان کی حقیقت میں شامل نہیں۔ لیکن بغیر اعمال صالحہ کے ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ناقص ہے۔ اور کسی چیز کا ناقص ہونا۔ اسے بالکل معدوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کو درجہ کمال سے گرا دیتا ہے اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ کبیرہ گناہ مومن کو ایمان سے محروم نہیں کرتا۔ لیکن کامل ایمان نہیں رہتا۔ گناہ و فسق انسان کو کافر نہیں بناتے۔ لیکن گناہ گار بنا دیتا ہے۔ اندرین حالات یہ بات تسلیم کرنا ہوگی۔ کہ مومن دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جو مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ مومن کامل کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم کے مومن غاصی و بدکردار یہی مومن ناقص ہوتے ہیں۔ فاسق و عاصی کو قرآن نے مومن کے خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ اور ان پر اسلام کے سارے احکام نافذ و جاری ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ گنہگار ناسقوں کی نماز جنازہ ادا کرتے رہے ہیں۔ اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرتے رہے ہیں۔ ان کے واسطے دعاؤں استغفار کرتے رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ گنہگار اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

— گناہ کبیرہ و گناہ صغیرہ

گناہ کی دو قسمیں ہیں۔ کبیرہ و صغیرہ۔ گناہ کبیرہ وہ ہے۔ جو یقینی دلیل سے ثابت ہو۔ اور اس پر باقاعدہ وعید آئی ہو۔ ناحق قتل کرنا۔ زنا کا مرتکب ہونا۔ نیک منکوحہ کو زنا کی تمت لگانا۔ دو چند کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جانا۔ لواطت کا ارتکاب کرنا۔ جادو کرنا۔ یتیم کا ناحق مال کھانا۔

مسلمان والدین کو ناسحق ستانا۔ مکہ معظمہ کے حرم میں ممنوعہ اشیاء کا کرنا۔ سووکھانا۔ چوری کرنا۔ شراب نشہ اور چیز کا استعمال کرنا۔ سور کا گوشت کھانا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ بلاوجہ سچی گواہی چھپانا۔ بلا عذر رمضان کے روزے نہ رکھنا۔ نماز نہ پڑھنا۔ نماز بے وقت ادا کرنا۔ زکوٰۃ نہ دینا۔ جھوٹی قسمیں کھانا۔ قطع رحم کرنا۔ ناپ تول میں بددیانتی کرنا۔ مسلمانوں سے بلاوجہ لڑتے رہنا۔ قدرت کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہاتھ روک لینا۔ قرآن پاک یاد کر کے بھول جانا۔ کسی جاندار کو آگ میں جلانا عورت ہو کر اپنے خاوند کی نافرمان ہونا۔ مرد ہوتے اپنی بیوی پر ظلم و تعدی کرنا۔ میاں بیوی میں لڑائی کی بنیاد رکھنا۔ علمائے دین اور حافظان قرآن کی توہین کا مرتکب ہونا۔ اللہ کی مغفرت سے ناامید ہونا۔ اس کے عذاب سے بے خوف رہنا۔ یہ سارے اعمال گناہ کبیرہ میں شامل ہیں۔ اور مولانا جلال الدین دوانی روایاتی سے نقل کئے ہیں۔

حضرت روایاتی حضرت امام شافعی کے اصحاب میں سے تھے۔ بعض علماء کرام نے گناہ کبیرہ کے متعلق مزید امور کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر گناہ کبیرہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ شریعت میں جس کے متعلق وعید آئی ہو۔ اس کے ارتکاب کا نام گناہ کبیرہ ہے۔ جو ایسا نہ ہو۔ وہ گناہ صغیرہ کہلائے گا۔ چونکہ گناہ صغیرہ میں اتنی شدت نہیں ہے۔ اس لیے اس سے بچنا بھی دزہ مشکل ہے۔ مذہب مختار بھی یہی ہے۔ کہ گناہ صغیرہ سے تقویٰ کو نقصان نہیں پہنچتا۔ بشرطیکہ اس کی عادت نہ بنالی جائے۔ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگرچہ ایمان میں ضعف و نقصان پاتا ہے۔ مگر دائرہ اسلام سے باہر نہیں جاتا۔

— فرقہ خارجیہ اور معتزلہ کا استدلال

خارجیہ فرقہ تو کبیرہ چھوڑ کر گناہ صغیرہ کے مرتکب کو بھی کافر کہتے ہیں۔ یہ مذہب چونکہ بذات خود باطل ہے۔ لہذا اس کی بات قابل اعتبار نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں۔ کہ گناہ کبیرہ کرنے والے نہ مومن رہتے ہیں۔ اور نہ انہیں کافر کہا جاسکتا ہے۔ یہ پہلا مسئلہ ہے جو اسلام میں تمام مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ اور معتزلہ ہی ایسا فرقہ ہے جو بنائے اسلام میں رخنہ اندازی کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ عقل و خرد کے تابع ہیں۔ وہ ظاہری نصوص کو بھی تاویلات کے چکر میں لے جاتے ہیں۔ یہ مذہب باطل اور ناقابل اعتماد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں کو دو صفوں میں رکھا ہے۔ یا مسلمان ہیں۔ یا کافر۔ فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ۔

ان دو کے بغیر کوئی بھی تیسری قسم نہیں ہے۔

حقیقت میں ان لوگوں نے نبی علیہ السلام پر ایمان لانے اور آپ کی تصدیق کرنے کی قدر و منزلت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ ایمان کی قوت اور نورانیت کے سامنے تمام گناہ بے حقیقت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جس طرح نیکیاں کفر کی حالت میں کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ اسی طرح برائیاں بھی ایمانی قوت کے سامنے بیچ ہوتی ہیں۔ اور کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ ہاں کمال ایمان میں یقیناً فرق آجاتا ہے۔ اگر بطور استخفاف کے گناہ کیے جائیں۔ حرام کو حلال جانتے ہوئے گناہ کو کچھ نہ سمجھے۔ تو یہ کفریہ بات ہے۔ اور تصدیق قلبی کے خلاف ہے۔ مگر جو شخص حرام کو حرام اور حلال کو حلال جانے لگے مگر بشریت کے تقاضا سے خواہشات نفس کا شکار ہو جائے تو وہ کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ تصدیق قلبی جو ایمان کی جان ہے۔ دل میں موجود ہے۔ ایسا شخص مسلمان ضرور ہے۔ اگرچہ اس کے اعضاء و جوارح نافرمان ہیں۔ جو دل کا کہا نہیں مانتے۔ خاص کر ایسے وقت جب عذاب کا خوف اور مغفرت کی امید اور توبہ کا ارادہ ہو۔

ان رعائتوں کے باوجود مغفور نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ گناہ کی نجوست دل کی صفائی اور ایمان تشنگنگی کو اس طرح کھودیتی ہے کہ نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور کفر کے بالکل قریب کر دیتی ہے۔ جب انسان گناہ کا عادی بن جاتا ہے۔ تو اسے کفر سے بچنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب انسان گناہ کرتا ہے۔ اس کے دل پر ایک سیاہ داغ پڑ جاتا ہے۔ اگر توبہ کرے تو یہ داغ دور ہو جاتا ہے۔ ورنہ دن بدن بڑھتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر دل ایمانی باتیں اور حق کی گفتگو نہیں سن سکتا۔ ختم اور طبع کے یہی معنی ہیں۔ جو قرآن نے بیان کیے ہیں۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ - وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ - وَخَمَّمَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

ان تینوں آیات میں مختلف کیفیتوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ پہلی میں ایسا نہیں جو ان کا گمان ہے۔

دوسری میں دل زنگ آلود ہوتے ہیں۔ اور تیسری میں صریح لگا دی جاتی ہیں۔

— گناہ کے اثرات

گناہ اگرچہ مومن کو ایمان سے محروم نہیں کر سکتا۔ مگر کفر کے خوف سے بچا نہیں سکتا۔ سلامتی اسی بات میں ہے۔ کہ دنیا کے معاملات کو بقدر ضرورت اختیار کیا جائے۔ یہ ایسا تین قسم کی احتیاطوں سے ہو سکتا ہے۔ اول اس قدر کھانا کھایا جائے کہ بھوک روکی جاسکے۔ دوسرے کپڑے اس قدر استعمال میں لائے جائیں۔ جو ستر کے لیے کافی ہوں۔ مکان اس قدر لیا جائے۔ جو گرمی و سردی سے پناہ گاہ ثابت ہو سکے۔ ان حالات میں حدود سے تجاوز کرتے ہوئے مباحات کے میدان میں قدم رکھنے اور آرام و آسائش کی وسعت کے دروازے کھولنا مشتبہات و مکروہات تک پہنچا دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ انسان نحرمت کا ارتکاب کرنے سے بھی باز نہیں رہتا۔ اسلام کی سرحدیں یہاں تک ختم ہو جاتیں ہیں۔ آگے کفر کی وادی ظلمات ہے۔

غرضیکہ کمال و نقصان کی ترقی و زوال کے یہی دو راستے ہیں۔ ایمان میں ترقی و کمال اسی بات سے ہوتی ہے کہ واجبات۔ سنتیں اور نفل ادا کیے جائیں۔ اور مرتے دم تک اس پر قائم رہا جائے زوال اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جب انسان مشتبہات اور حرام میں پڑے۔ سلامتی اور حقیقت تو خوف و رجا کے درمیان ہی ہے۔

— اہل کبائر ہمیشہ کے لیے دوزخی نہیں

مومن گناہ کبیرہ کرنے والے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ خواہ وہ بلا توبہ ہی مر گئے ہوں کیونکہ انسان گناہ کبیرہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ اور قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ ہمیشہ دوزخ تو دین کے منکروں اور کافروں کے لیے ہی ہے۔ چنانچہ گناہ گار اور مرتکبان کبائر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ اگر وہ توبہ کے بغیر مر گئے تو جب تک اللہ تعالیٰ اچا ہے گا انہیں دوزخ میں رکھے گا۔ پھر معاف کر دے گا۔ اور بہشت میں داخل کر دے گا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بہشت میں رہیں گے۔

امام حکیم ترمذی نے نو اور الاصول میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ بعض گناہ گار تو محض ایک لمحہ کے لیے دوزخ میں ٹھہریں گے۔ بعض ایک دن، بعض ایک سال بعض اس سے بھی زیادہ۔ لیکن دنیا کی عمر سے زیادہ کوئی مومن بھی دوزخ میں نہیں رہے گا۔ یہ

مدت سات ہزار برس ہے ۔

اسی طرح ایک اور روایت میں ابن ابی حاتم اور ابن شاصین نے علی رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کیا کیا ہے ۔

— مشرک ابدی و وزخی ہیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ
اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ مشرک اور کافر ہرگز نہیں بخشے جائیں گے۔ باقی گناہ
صغیرہ و کبیرہ کے مرتکب خواہ توبہ کریں یا نہ کریں جب اللہ تعالیٰ انہیں چاہے گا بخش دے گا۔
يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكَمُ مَا يَرِيدُ۔

اللہ جو چاہے کرے اور جو ارادہ فرمائے حکم دے ۔

غرضیکہ آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ مومن و کافر۔ مومنین میں سے مطیع و عاصی ہیں۔ عاصیوں
میں سے توبہ کرنے والے اور توبہ سے محروم لوگ۔ کفار تو اجماعاً و وزخ میں رہیں گے۔ مومن مطیع
اور عاصی تائب بالاتفاق جنت میں جائیں گے رہا وہ گنہگار جنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ نہیں
کی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا انہیں و وزخ میں رکھا جائے گا۔ اور عذاب دیا جائے گا گناہوں
کی مقدار کے پیش نظر و وزخ میں رہنے کے بعد داخل جنت کیا جائے گا۔ مگر اس کی یہ رہائی شفاعت
یا شفاعت کے بغیر یقینی ہے ۔

— عذاب و مغفرت

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ۔

اللہ جسے چاہے عذاب دے جسے چاہے بخش دے ۔

گناہوں کے بخش دینے میں بہت سی احادیث ہیں۔ ایک حدیث سوال کے باب میں مذکور
ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ اس کا اعمال نامہ اس
کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔ جب بندہ دیکھے گا کہ اعمال نامہ میں گناہوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مگر
اعمال نامہ کی پشت پر وہ نیکیاں درج ہوں گی۔ جنہیں تمام مخلوقات دیکھ کر رشک کرے گی۔ خداوند
تعالیٰ اپنی رحمت سے حکم کرے گا۔ اے بندے دنیا میں میں نے تیرے گناہوں پر پروردگار کے

آج بخش دیا ہے۔ اب تم بہشت میں جاؤ اور ہمیشہ رہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم اس کی رحمت عامہ کے پیش نظر ہے۔ عقل اسے اپنے معیار پر جانچنے سے قاصر ہے۔ اور عقل کو یہ بھی اختیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس بخشش کے حکم کے سامنے دریافت کرے۔ کہ کافر کو کیوں بخش دیا گیا۔ اُسے پہلے کیوں بخشا گیا اور اسے بعد میں کیوں بخشا گیا۔

يَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُحْكَمُ مَا يَرِيدُ۔

اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس بات کا ارادہ کرنا ہے حکم کرتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ اس کا حکم خلاف وعدہ نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ وعید کے خلاف ہو۔ یہ شخص اس کا کرم ہے۔ کرمیوں کی عادات ہوتی ہے کہ احسان و انعام کا وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔

الْكِرَامُ إِذَا وَعَدُوا وَفَاءُ۔

سخی جب وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جب غصے اور عذاب سے ڈرتا ہے تو یہ اس کی وعید ہے۔ اس سے درگزر کرنا اور معاف کر دینا سہی شان کریمی کی ایک جھلک ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے۔ کہ وہ اپنے وعدہ اور وعید دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔ ورنہ اس کی وعیدی خبریں سب جھوٹی ثابت ہوں گی۔ حالانکہ اس کی ذات تو جھوٹ سے مبرا اور پاک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وعید کی خبروں میں ممکن ہے۔ کہ اس کے کرم کے مقتضائے موافق مشیت کی شرط مقدر ہو۔ اگرچہ اس کی تصریح نہیں کی گئی۔ اور وعدے جیسے ہونے والے تھے۔ ویسے ہی ہوں۔ وہ آیات و احادیث جن میں مشیت کا بیان ہے۔ تقدیر مشیت کا قرینہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ وعید کی خبروں سے استحقاق عذاب مراد ہے۔ اس کا وقوع بالفعل مراد نہیں۔ بعض اوقات التثاؤد وعید بھی مراد ہے۔ حقیقتہ خبر مراد نہیں۔ ان حالات میں جھوٹ یا تکذیب واقع نہیں ہوتا۔

— گناہ صغیرہ پر سزائیں

چھوٹے گناہوں پر بھی عذاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کفر کے بغیر تمام چھوٹے بڑے گناہ مواخذہ و عذاب اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتے ہیں۔ صغیرہ بھی گناہ ہے۔ اس لیے اس پر عذاب و مواخذہ

بھی جائز ہے۔

— اللہ کے رسول

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے اپنے رسول بھیجے۔ وہ انسانوں کو جنت کی خوشخبری سناتے رہے اور دوزخ سے ڈراتے رہے۔ انسانوں کا دین و دنیا کے کاموں میں راہنمائی فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ خود فاعل اور مختار ہے۔ جو چاہتا ہے اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اسے کسی چیز کی ضرورت بھی نہیں۔ اور کسی چیز سے مجبور و محکوم بھی نہیں۔ عقل اس پر حکم نہیں چلا سکتی۔ بلکہ وہ اس کی خود محکوم ہے۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے وہ تمام چیزیں جس سے بقائے عالم اور بقائے زندگانی انسان اور اس کے دنیا و آخرت کے کاموں میں اصلاح و درستی ہو سکے۔ اپنی قدرت و حکمت سے انجام دیتا ہے۔ وہی اس کا ضامن اور کفیل ہے۔ رزق کا دنیا۔ اپنے بندوں کو ہدایت کے لیے پیغمبروں کا بھیجنا۔ گویا تمام امور اس پر واجب نہیں۔ لیکن وہ اپنی عادت کریمانہ سے ان تمام کاموں کو سرانجام دیتا ہے۔

چونکہ عام لوگ اس کے دربار سے کما حقہ فیضان حاصل کرنے کی براہ راست صلاحیت نہیں رکھتے۔ اور عالم ملکوت تک پہنچنا بھی بڑا دشوار ہے۔ اس لیے اس نے اپنے بندوں سے بعض کو برگزیدہ بنا دیا۔ اور انہیں اپنی ذات و صفات اور اعمال کی معرفت عطا کی۔ اور جن امور میں انسان کی بھلائی تھی۔ وہ ان کو سکھا دیے۔ وہ دنیا میں آئے تاکہ اس کے بندوں کو اس کی طرف بلا سکیں۔ اور ہدایت کا راستہ دکھا سکیں۔ اور دنیا و آخرت میں جن چیزوں کی ضرورت ہے۔ اس کی راہنمائی کر سکیں۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت کو پیدا کیا۔ اسے نیک انسانوں کی قیام گاہ بنا دیا۔ دوزخ بنا دیا۔ اور اسے نافرمانوں کی جائے عذاب بنا دیا۔ اب ایسے اچھے کام جو انسان کو بہشت میں لے جائیں یا دوسرے کام جن سے دوزخ مقدر ہو چکی ہو۔ محض عقل سے حل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے انبیاء کرام کو بھیجا تاکہ وہ مخلوق کو بتا سکیں۔ کہ فلاں فلاں کام سے فلاح و بہبود حاصل ہوتی ہے۔ اور فلاں فلاں برے کام تباہی کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اس صورت حال سے مخلوق کے پاس کسی قسم کی حجت یا عذر باقی نہیں رہتا چنانچہ فرمایا۔

لَعَلَّآ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ -

تاکہ لوگوں کو رسولوں کے آنے کے بعد اللہ پر کوئی حجت یا عذر نہ رہے۔

اور پھر فرمایا۔

وَمَا أَدْرَاكَ إِلَّا رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِينَ۔

ہم نے اپنے رسول کو رحمت عالم بنا کر بھیجا۔

فی الواقع تمام علوم کے مادے اور اصول خواہ وہ زمین سے متعلق ہوں یا آسمان سے حضرات انبیاء کے فیضان کا نتیجہ ہیں۔ علم کا مبداء اور سرچشمہ تو وحی آسمانی ہے۔ تمام علما اور حکماء اسی سے ہی علوم حاصل کرتے ہیں۔ سب نے اسی سرچشمہ سے پانی پیا۔ یہ ممکن ہے کہ قیاس، اجتہاد و معاہدہ کے سبب علما کرام نے بہت سے باتیں بڑھائی ہوں۔ اور لوگوں کے اطمینان کے لیے انہیں مختلف انداز میں بیان کیا ہو۔ مگر یہ تمام چیزیں تو علوم وحی کی شرح و تفسیر ہی ہیں۔

اگر یہ خیال گذرے کہ بعض علوم تو شریعت کے مخالف ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے۔ ہمارے پاس اس کا جواب یہ ہے۔ کہ قاعدہ قدرت تو اسی طرح ہے۔ کہ شرائع سابقہ منسوخ ہوں۔ وقت کے مطابق احکام بدلے جائیں۔ جب یہ صورت حال پیدا ہوئی۔ بعض لوگ تو پہلے دین پر قائم رہے۔ اور نئے پیغمبر کی متابعت کی مخالفت کرنے لگے۔ اور اس طرح وہ بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے بھی محروم رہے۔ بعض نے تحریف کر کے بعض چیزیں اپنی طرف سے بڑھا دیں۔ اور ایک جماعت ایسی ہوئی۔ کہ انہوں نے اپنی عقل فضول سے اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کو بروئے کار لاتے ہوئے بحث و جدل اور قیل و قال کے دروازے کھول دیے۔ ایک طبقہ تو اس طرح کہنے لگا کہ دنیا کے حکماء نے اپنی ریاضت و استدلال سے کسی کی مدد کے بغیر ہی علوم ایجاد کر لیے ہیں۔ اور انہیں کسی دوسرے واسطے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ ان لوگوں کا یہ خیال بڑا غلط اور بعید از علم تھا۔

در اصل علم کے حاصل کرنے کا واحد ذریعہ تو استاد ہی ہے۔ مطالب زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا تو اپنے فہم و استنباط کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں اس نکتے کو یوں واضح کیا ہے۔

انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم۔

علم سیکھنے سے آتا ہے۔ اور علم پر دباری سے میسر ہوتا ہے۔

— معجزات انبیاء اور تائید الہی

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی تائید معجزات اور آیات سے فرمائی ہے۔ ان چیزوں سے یقین و ایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ ہر ایک دعوے کی ایک دلیل ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام

یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے سفیر ہیں۔ تو معجزات ان کے دعوے کی دلیل ہے۔

— معجزہ کیا ہے؟

معجزہ اس خرق عادت کو کہتے ہیں۔ جو مدعی نبوت سے ظاہر ہو۔ اور اس کے دعویٰ کی تائید کرے اور غیر نبی ایسا معجزہ پیش کرنے سے عاجز ہو۔ خرق عادت کے معنی یہ ہیں کہ ظاہری اسباب کے بغیر ہی ایسا کام نبی کے ہاتھوں ظاہر ہو۔ جسے ہم سمجھنے سے عاجز آجائیں۔

حکیم مطلق نے دنیا کے تمام امور اسباب پر موقوف رکھے ہیں۔ قانون قدرت یہی ہے۔ کہ بغیر اسباب کے کوئی کام پیدا نہیں کرتا۔ اسی کو عادت کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات وہ اپنی قدرت سے اس عادت کو توڑ دیتا ہے اور کسی ظاہری سبب کے بغیر ہی اپنے رسول کے ہاتھوں پورا کر دیتا ہے تاکہ یہ چیز اس کی رسالت کی دلالت بن سکے۔ چنانچہ معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ نہ کہ رسول کا۔ کیونکہ قانون قدرت کو توڑنا انسان اختیار سے باہر ہے۔ معجزہ نبی کی صداقت کی یقینی دلیل ہے۔ معجزہ کو دیکھتے ہی نبی کی صداقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ نفس اس کی تصدیق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور مجال انکار نہیں رہتی یہی نفس کی جبلی اور پیدائشی خاصیت ہے۔

نبوت کا دعویٰ ایک غیر معمولی اور عظیم الشان کام ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے دلیل بھی اتنی قوی ہونی چاہیے۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کے غلبے اور رعب کے سامنے کسی کے پاؤں نہیں جھکتے۔ اور اختیار ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کے برعکس عقلیہ و نقلیہ دلائل تو گویا چند گرہ ہیں۔ جو خیال کے دھاگے میں لگا دی جاتی ہیں۔ ان سے دشمن کو الزام دینا۔ اور اسے ساکت کرنا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے۔ نزاع و جدال کا راستہ ان سے مسدود نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ علم الکلام اور فلسفہ کے دلائل یقینی نتائج لانے سے عاجز رہے ہیں۔

اگر معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایک انسان منکر اور کافر رہے۔ تو یہ بات اس کی ازلی بد نصیبی اور دلی عناد کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے۔

— اول الانبیاء اور خاتم الانبیاء

سب انبیاء سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اور سب کے آخرین یعنی خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ -

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری سے دین کا کامل کرنا اور مکارم اخلاق کا پورا کرنا مقصود تھا۔ جب یہ مقصد پورا ہو گیا۔ اور اخلاق مکمل ہو گئے۔ تو حضور کے بعد کسی پیغمبر کی ضرورت نہ رہی۔ حضور کے خلفاء اور امت کے علماء ہی اسلام کے محافظ اور مددگار بن گئے۔ اور قیامت تک اس کی اشاعت و نگہبانی کے لیے کافی ہیں۔

— انبیاء کی تعداد

بہتر یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی تعداد مقرر نہ کی جائے۔ بعض حدیثوں میں اگرچہ تمام انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان ہوئی ہے۔ مگر قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَرَسُولًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرَسُولًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ -

ان میں سے بعض انبیاء کا حال تو بیان کر دیا ہے۔ اور بعض کا بیان نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ اس خبر کے بعد فرمایا گیا ہو۔ چونکہ قرآن کریم میں تعداد بیان نہیں کی گئی۔ لہذا اس کے محل اور پوشیدہ رکھنے میں احتیاط ہے۔

— ذوالقرنین کی نبوت

بعض علماء نے ذوالقرنین کو پیغمبر تسلیم کیا ہے۔ مگر اکثر کی رائے ہے۔ کہ وہ ایک مسلمان انصاف پسند بادشاہ تھا۔ ہمارے نزدیک بھی یہی بات درست ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی خیال ہے۔

بعض علمائے کرام نے اسے فرشتہ لکھا ہے۔ مگر یہ بات بعید از قیاس ہے۔ علمائے تاریخ نے نام میں بھی اختلاف کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کا نام اسکندر تھا۔ بعض مورخین نے عبداللہ، مرزبان مرزبی اور برمن لکھا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے نام کتابوں میں آتے ہیں۔

اسکندر رومی فیلسوف کا بیٹا تھا جس کے مشیر و معاصب حضرت خضر تھے۔ جس نے چشمہ آب حیات کی جستجو کی مگر نہ پاسکا۔ اسکندر یونانی ایک اور شخص ہوا ہے۔ وہ یونان یافت کے بیٹے نوح علیہ السلام کے پوتے کی اولاد میں تھا۔ اور اس کا وزیر اسطو تھا۔

بعض علمائے تاریخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے۔ امام حدیث و تفسیر حضرت ابن الحق

نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ چار آدمیوں کے مشرق سے مغرب تک دنیا کو فتح کیا۔ ان میں دو مسلمان اور دو کافر تھے۔ مسلمانوں میں سے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ذوالقرنین اور کافروں میں سے نمرود اور نخت نصر۔

آخرین زمانہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے۔

سکندر کا نام ذوالقرنین کی وجہ بھی مختلف علماء نے مختلف انداز سے پیش کی ہے۔ وہیب بن منبہ کہتے ہیں کہ وہ دو قرن زمین کا مالک تھا۔ (یعنی مشرق و مغرب کا یاروم و فارس یاروم و ترکی کا) اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے دو گیسوتھے۔ اس لیے ذوالقرنین کہا جاتا رہا۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ اس کے سر پر دو سینگ تھے۔ اس واسطے اسے ذوالقرنین کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا۔ بعض کے نزدیک اس کے سر پر پیل کی طرح دو سینگ تھے۔ ایک قول یوں بھی ہے۔ اس نے دو قرن بادشاہی کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جہاد میں اس کے سر پر دو زخم آئے اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جانے لگا۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صحابی حضرت ابن کور سے لوگوں نے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ ذوالقرنین پیغمبر نہیں تھا۔ وہ ایک خدا ترس انسان تھا اور اس کے سر پر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے واہنی طرف زخم آگیا۔ جس سے جان بحق ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر زندہ کیا۔ پھر بائیں طرف زخم آیا۔ اور وہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پھر زندگی دی۔ اس وقت سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ آفتاب تک پہنچ گیا ہے۔ اور اس کے دونوں اطراف کا مالک بن گیا ہے۔ اس لیے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا ہے۔

— حضرت لقمان کی نبوت

آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے خواہر زادے یا خالہ زاد بھائی ہیں۔ بعض علمائے تاریخ نے لکھا تھا کہ آپ نبی تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ولی اللہ اور حکیم تھے۔ انہوں نے اپنی عمر میں ایک ہزار پیغمبروں کی خدمت اور شاگردی کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت لقمان نبی تھے۔ بادشاہ نہیں تھے۔ وہ ہشتی غلام تھے۔ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ مگر اللہ نے انہیں برگزیدہ بنا دیا۔ حکمت

و عمل اور جو انمردی کے انعامات سے آپ کو نوازا۔ اور اپنی کتابوں میں آپ کا ذکر اچھے انداز میں فرمایا۔

— حضرت خضر علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ کہ وہ دراز عمر نبی ہیں۔ مخلوقات ارضی کی آنکھوں سے محبوب ہیں۔ آب حیات سے مستفیض ہوئے ہیں۔ اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ بعض علماء انہیں صرف ایک ولی اللہ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بعض آپ کو فرشتہ تصور کرتے ہیں۔ مگر یہ خیال باطل ہے۔ جمہور اہل علم و تحقیق کی یہی رائے ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اور جب تک دنیا میں قرآن پاک موجود ہے۔ انہیں موت نہیں آئے گی۔

حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے۔

”خضر (رخ کی زبر اور ضار نقطہ وار کے زبر اور رخ کسر کے زبر اور ضار نقطہ وار کے سکون سے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے) کا نام بلیا بن ملکان ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ فرعون کے لڑکے تھے۔ مگر یہ بات نہایت عجیب و غریب اور شاذ ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ مالک کے بیٹے الیاس کے بھائی ہیں۔ بعض کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کے صلیبی فرزند ہیں۔“

غرضیکہ بالاتفاق مشائخ صوفیہ اور جمہا میر علمائے امت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور محدثین کا ایک طبقہ جن میں حضرت امام بخاری۔ ابن المبارک۔ ابن عربی اور ابن جوزی ہیں۔ خضر علیہ السلام کی زندگی سے انکار کرتے ہیں۔ ان حضرات کے سامنے وہ حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی وفات کے قریب فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی جاندار بھی سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے گا۔ مگر اس حدیث کے معانی میں تاویل و تفسیر سے کام لیا جاتا ہے۔

خضر علیہ السلام کی ملاقات اولیاء اللہ کے ہاں بڑی معروف بات ہے۔ وہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے۔ حضور کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ :

لَوْ كَانَ خَضْرًا جِئًا لَزَارَكُ

اگر خضر زندہ ہوتے تو میں ان سے ملاقات کرتا۔ ملاقات خضر سے پہلے کا ہے۔ اس قسم کی ملاقات عرف و عادت پر ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث و روایت کی

ہیں۔ اور بعض مشائخ نے یہ احادیث حضرت خضر سے براہ راست سنی ہیں۔

— عورتوں کی نبوت

حضرت مریم۔ آسیہ۔ سارہ۔ ہاجرہ۔ حوا اور ام موسیٰ (جن کا نام تھا) علیہن السلام کی نبوت کے متعلق ایک قول نقل کیا ہے۔ مگر یہ صحیح ہے کہ نبوت مردوں سے ہی منحصر ہے۔ اور قرآن پاک میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِي إِلَيْهِمْ۔

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے ہیں۔ وہ مرد ہی تھے جن کی طرف وحی آتی رہی۔ اگرچہ قرآن پاک میں مذکورہ بالا عورتوں پر بھی وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ اور ان کا تذکرہ پیغمبروں کے ساتھ آیا ہے۔ لیکن اس بات سے ان کی پیغمبری اور نبوت ثابت نہیں ہو سکتی۔ وحی سے ان مقامات پر امام و اعلام مراد ہے چنانچہ فرمایا۔

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ۔

تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی۔ انبیاء کے ساتھ ان نیک عورتوں کا تذکرہ ان کی بزرگی اور عظمت کے اظہار کے لیے ہے۔

عصمت انبیاء

تمام انبیاء کرام گناہوں سے پاک۔ سچے اور خدا کی طرف سے احکام پہنچانے والے تھے۔ وہ اپنے منصب نبوت سے کبھی معزول نہیں ہوئے۔ جو کچھ بھی پیغمبروں نے کہا۔ ہمیشہ سچ کہا۔ اور جو کچھ وہ لائے وہ اپنے اللہ کی طرف سے لائے۔ انہوں نے ہمیشہ امر و نواہی کے احکام کو کا حق پورا کیا۔ وہ گناہوں سے پاک تھے۔ ان کا دعویٰ معجزہ سے ثابت ہوتا رہا۔ اور انہوں نے جو کچھ بھی کہا۔ اپنے اللہ کی طرف سے کہا۔

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ۔

رسول کے ذمہ بجز پیغام حق پہنچانے کے کچھ نہیں۔ اگر وہ جھوٹ بولیں۔ تو ان کے یہاں بھیجنے کی حکمت باطل ہو کر رہ جائے۔ اور اگر وہ خود ہی گناہ میں ٹوٹ ہو جائیں۔ تو مخلوق خدا ان سے نفرت کرنے لگے۔ نصیحت و ارشاد کے سرچشمے بند ہو جائیں گے۔ چنانچہ انبیاء کرام جھوٹ اور گناہ کبیرہ سے معصوم ہیں۔ نہ ان سے قصداً گناہ سرزد ہوتا ہے۔ اور نہ ہی بھولے سے۔ صغیرہ گناہ بھی ان سے عموماً

نہیں ہوتا۔ اگرچہ بعض علمائے کبیرہ بھولے سے اور صغیرہ قصداً جائز لکھا ہے۔ لیکن وہ گناہ جس سے عوام میں نفرت پھیلے یا ان کے درجات میں فرق ڈال دے۔ کسی صورت بھی سرزد نہیں ہوتا۔ وہ ایک لقمہ برابر چوری کے ترکیب نہیں ہوتے۔ اور کسی حقیر سے حقیر چیز پر ان کی نیت خراب نہیں ہوتی۔ وہ معاملات میں رتی بھر بھی کمی و بیشی روا نہیں رکھتے۔

— انبیاء کی لغزشیں —

جمہور اہل سنت کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے عموماً یا سہواً گناہ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی یہ بات ان کے مناصب جلیلہ اور مراتب عالیہ کو زیر دیتی ہے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین مدینہ کے بعض علماء۔ محدثین اور فقہانے قصیدہ امالہ کی شرح میں یوں بیان فرمایا ہے۔ انبیائے کرام سے احکام الہی کے پہنچانے اور رسالت کے متعلق امور کو سرانجام دینے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ بعض صغیر معاملات میں سہو سرزد ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں۔ چنانچہ سجو و سہو کے باب میں مذکور ہے۔ کہ انبیاء کرام سے جو خطائیں یا لغزشیں منسوب ہیں۔ بعض تو ان میں سے صحیح ہیں اور بعض صحیح نہیں۔ اور ان کی تاویل میں کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی ظاہری صورت پر اعتقاد نہیں کرنا چاہیے۔

— انبیاء کی ابدی زندگی :-

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کبھی معزول نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ انے جو مراتب و درجات رسالت انہیں عطا فرمائے ہیں۔ وہ ان سے کبھی نہیں چھینتا۔ رسالت موت کے بعد بھی قائم و جاری رہتی ہے۔ بلکہ ہم تو یہاں تک کہیں گے۔ کہ انبیاء کرام کو موت نہیں آتی۔ اور زندہ جاوید ہیں۔ اور باقی ہیں۔

ان کے واسطے بس ایک ہی موت ہے۔ جو ایک دفعہ واقع ہوئی۔ اس کے بعد ان کی روہیں انہیں بدنوں میں لوٹا دی جاتی ہیں۔ اور جو زندگی انہیں دنیا میں دی جاتی ہے۔ وہی زندگی ان کی عالم برزخ میں ہوتی ہے۔ انبیاء کی حیات شہدا کی زندگی سے کامل تر ہوتی ہے۔ کیونکہ شہدا کی زندگی پوشیدہ اور معنوی ہوتی ہے۔

— شریعت اور نبوت :-

کسی نبی کی شریعت کے منسوخ ہونے سے یہ مراد نہیں ہے۔ کہ اس کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی ہے۔ اولیاء اللہ معزول ہونے کے خوف سے اور خاتمہ بالخیر کے لیے ہر وقت مقام خطر میں رہتے ہیں۔

اگر ان کا خاتمہ بالایمان ہو تو وہی ہیں۔ ان کی موت نیند کی طرح ہوتی ہے۔

— قبروں سے استعانت و استمداد —

قبروں سے امداد و اعانت طلب کرنے کے متعلق فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے ہاں انبیاء کرام کے علاوہ تمام لوگوں کی قبروں کی زیارت محض عبرت اور موت کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہے۔ قبروں کی زیارت سے مردوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور ان کے حق میں استغفار فائدہ رساں عمل ہے۔ نبی علیہ السلام کا بقیع کی قبروں کی زیارت کرنے کے لیے جانا تو احادیث متواتر سے ثابت ہے۔ لہ

۱۔ استعانت حقیقیہ یہ کہ اسے قادر بالذات و مالک مستقل و عینی بے نیاز جانے کہ بے عطائے الہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے۔ اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد بر مسلمان کے نزدیک شرک ہے۔ نہ ہرگز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے۔ بلکہ واسطہ وصول فیض و ذریعہ و وسیلہ قضائے حاجات جانتے ہیں۔ اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود رب العزۃ تبارک و تعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا۔

وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ۔

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو یا اس معنی استعانت بال غیر ہرگز اس حصر ایاک نستعین کے منافی نہیں۔ جس طرح وجود حقیقی کہ خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کیے۔ موجود ہونا۔ خاص بجناب الہی تعالیٰ و تقدس ہے۔ پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کنا شرک نہ ہو گیا۔ جب تک وہی وجود حقیقی نہ مراد نہ لے۔

حقائق الاشياء ثابتة۔

پہلا عقیدہ اہل اسلام کا ہے۔ یوہیں علم حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو۔ اور تعلیم حقیقی کہ بذات خود بے حاجت بدیگر القائے علم کرے اللہ جل جلالہ سے خاص ہیں۔ پھر دوسرے کو عالم کنا یا اس سے علم طلب کرنا شرک نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہی معنی اصلی مقصود نہ ہوں۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو علیم و علماء فرماتا ہے۔ اور حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد کرتا

ہے۔

مشائخ صوفیا کہتے ہیں۔ کہ بعض اولیاء اللہ کا تصرف عالم برزخ میں بھی باقی رہتا ہے۔ اور ان

يَعْلِمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

یہ نبی انہیں کتاب و حکمت کا علم عطا کرتا ہے۔ یہی حال استغانت و فریادرسی کا ہے۔ کہ ان کی حقیقت خاص بخدا اور معنی وسیلہ و توسل و توسط غیر کے لیے ثابت اور قطعاً روا بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لیے خاص ہیں۔ اللہ عزوجل وسیلہ و توسل و توسط بننے سے پاک ہے۔ اس سے اوپر کون ہے۔ کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا۔ اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے۔ کہ بی بیچ میں واسطہ بنے گا۔

حدیث میں ہے۔ جب اعرابی نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف شفیع بناتے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سخت گراں گزرا۔ دیر تک سبحن اللہ سبحن اللہ فرماتے رہے۔ پھر فرمایا۔

وَيَحْكُ إِنَّهُ لَا يَسْتَشْفَعُ بِاللَّهِ عَلَى أَحَدٍ شَانَ اللَّهِ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ۔

ارے نادان اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لاتے ہیں۔ اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۔ ساواہ اجداد و عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اہل اسلام انبیاء اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے یہی استغانت کرتے ہیں۔ جو اللہ عزوجل سے کیجیے۔ تو اللہ اور اس کا رسول غضب فرمائیں۔ اور اسے اللہ جل و علا کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ استغانت کے معنی اعتقاد کر کے جناب الہی جل و علا سے کرے تو کافر ہو جائے۔ مگر وہابیہ کی بد عقلی کو کیا کیے۔ نہ اللہ کا ادب نہ رسول سے خوف نہ ایمان کا پاس۔ خواہی نحو ہی اس استغانت کو بھی ایسا کہ مستغین میں داخل کر کے جو اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ سے خاص کیے دیتے ہیں۔ ایک بیوقوف نے کہا تھا۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

عہ جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عہ جل جلالہ ۲ منہ سے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲ منہ

کی ارواح مقدسہ سے استمداد و استعانت فائدہ مند ہوتا ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے کہا۔

توسل کر نہیں سکتے خدا سے اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا سے توسل کر کے اسے کسی کے یہاں وسیلہ و ذریعہ بنائیے
اسی وسیلہ بننے کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں۔ کہ وہ بارگاہ الہی میں ہمارا وسیلہ و ذریعہ
و واسطہ قضائے حاجات ہو جائیں۔ اس بیوقوفی کے سوال کا جواب اللہ عزوجل نے اس
آیہ کریمہ میں دیا ہے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ
لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کر کے تیرے پاس حاضر ہوں پس اللہ سے معافی
چاہیں۔ اور معافی مانگے۔ ان کے لیے رسول تو بے شک اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان
پائیں۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اسے نبی تیرے پاس
حاضر ہوں اور تو اللہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت و نعمت پائیں گے یہی ہمارا
مطلب ہے جو قرآن کی آیت صاف فرما رہی ہے۔ مگر وہاں یہ تو عقل نہیں رکھتے۔ خدا را
انصاف اگر آیتہ کریمہ ایاک نستعین میں مطلق استعانت کا ذات الہی جل و علا میں حصر
مقصود ہو تو کیا صرف انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی سے استعانت شرک ہوگی کیا
یہی غیر خدا ہیں۔ اور سب اشخاص و اشیاء وہاں یہ کے نزدیک خدا ہیں۔ یا آیت میں خاص
انہیں کا نام لے دیا ہے۔ کہ ان سے شرک اوروں سے روا ہے نہیں۔ نہیں جب مطلقاً
ذات احدیث سے تخصیص اور غیر سے شرک ماننے کی ٹھہری۔ تو کیسی ہی استعانت کسی
غیر خدا سے کی جائے۔ ہمیشہ ہر طرح شرک ہی ہوگی۔ کہ انسان ہوں یا جمادات احیا
ہوں یا اموات ذوات ہوں یا صفات افعال ہوں یا حالات غیر خدا ہونے میں سب
داخل ہیں۔ اب کیا جواب ہے۔ آیہ کریمہ کا کہ رب جل و علا فرماتا ہے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کہ جو حضرات بحالت زندگی برکات دیا کرتے تھے۔ وہ بعد از وفات تو اس

استغانت کرو۔ صبر و نماز سے۔ کیا صبر خدا ہے۔ جس سے استغانت کا حکم ہوا ہے کیا نماز خدا ہے۔ جس سے استغانت کو ارشاد کیا ہے۔

دوسری آیت میں فرماتا ہے۔

وَتَعَاذُوا عَلَى الْبَرِّ وَالنَّقْوَىٰ-

آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیزگاری پر۔ کیوں صاحب اگر غیر خدا سے مدد ملنی مطلقاً محال تو اس حکم الہی کا حاصل کیا۔ اور اگر ممکن تو جس سے مدد مل سکتی ہے۔ اس سے مدد مانگنے میں کیا زبردگی ہو گی۔ حدیثوں کی تو گنتی ہی نہیں۔ بکثرت احادیث میں صاف صاف حکم ہے۔ کہ صبح کی عبادت سے استغانت کرو۔ شام کی عبادت سے استغانت کرو۔ کچھ رات رہے کی عبادت سے استغانت کرو۔ علم کے لکھنے سے استغانت کرو۔ سحری کے کھانے سے استغانت کرو۔ دوپہر کے سونے سے استغانت و صدقہ سے استغانت کرو۔ عورتوں کی خانہ نشینی میں انہیں ننگا رکھنے سے استغانت کرو و طہارت روٹیوں میں حاجتیں چھپانے سے استغانت کرو۔ کیا یہ سب چیزیں وہابیہ کے خدا ہیں۔ کہ ان سے استغانت کا حکم آیا۔ یہ حدیثیں خیال میں نہ ہوں تو مجھ سے سنیے۔

(۱) البخاری والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم استعینوا بالغدوة والروحة وشیء من الدلجة۔

(۲) الترمذی عن ابی ہریرۃ

(۳) والحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعن بيمينك على حفظك۔

(۴) ابن ماجہ والحاکم والطبرانی فی الكبير والبيهقی فی شعب الایمان عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا بطعام السحر علی صیام النهار وبالقیلولة علی

وبرکت دینے کی اہمیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ مرنے کے بعد روح کا باقی رہنا حدیثوں اور اجماع امت

قیام اللیل۔

(۵) الدیلمی فی مسند الفردوس عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی الرزق بالصدقة۔

(۶) ابن عدی فی الکامل عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی النساء بالعمی فان احدھن اذا کثرت ثیابھا واحسنت زینتھا اعجبھا الخروج
(۷) الطبرانی فی الکبیر والعقیلی وابن عدی وابو نعیم فی الحلیۃ والبیہقی فی الشعب عن معاذ بن جبلؓ۔

(۸) والخطیب عن ابن عباسؓ۔

(۹) والخلعی فی فوائدہ عن امیر المؤمنین علیؑ المر تضحیؓ۔

(۱۰) والخرائطی فی اعتلال القلوب عن امیر المؤمنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استعینوا علی انجاح الحوائج بالکتمان۔

یہ دس حدیثیں تو افعال سے استغانت میں ہوئیں۔ بیس حدیثیں اشخاص سے استغانت میں لیجیے۔ کہ تمیں احادیث کا عدد کامل ہو۔

احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ بسند صحیح ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انا لا نستعین بمشرك۔

ہم کسی مشرک سے استغانت نہیں کرتے۔ اگر مسلمان سے استغانت بھی ناجائز ہوتی تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی ولہذا امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک نصرانی غلام و شیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا۔ ارشاد فرماتے۔

سے ثابت ہے۔ اور بحالت حیات اور بعد وفات ہر حالت میں روح کام کرتا رہتا ہے۔ بدن

أَسْلِمًا أَسْتَعِينُ بِكَ عَلَى أَمَانَةِ الْمُسْلِمِينَ -

مسلمان ہو جا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں۔ وہ نہ مانتا تو فرماتے ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔

امام بخاری تاریخ میں حبیب بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے۔

أَنَا لَا نَسْتَعِينُ بِالْمَشْرُكِينَ عَلَى الْمَشْرُكِينَ -

ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے۔

وسواہ الامام احمد ایضاً۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن نسائی میں ہے۔ چند قبائل عرب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استعانت کی۔ حضور والا نے مدد عطا فرمائی۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتاہ رعل و ذکوان و عصبیة و بنو لحيان فزعموا انهم قد اسلموا و استمدوا علی قومهم فامدھم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحدیث۔

صحیح مسلم و ابو داؤد و ابن ماجہ و معجم کبیر طرانی میں یحییٰ بن کعب سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ کہ ہم تجھے عطا فرمائیں۔ عرض کی میں حضور سے سوال کرتا ہوں۔ کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو۔ فرمایا بھلا اور کچھ عرض کی بس میری مراد تو یہی ہے۔ فرمایا۔ تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجد سے۔

قال كنت ابیت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فأتيتہ بوضوئہ و حاجتہ فقال لی سأل۔ و لفظ الطبرانی فقال یومًا یا ربیة سلنی فأعطیک رجعتنا الی لفظ مسلم قال فقلت

کو تصرف سے کوئی تعلق نہیں۔ اور متصرف حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اسْأَلُكَ مَعْرِفَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتَ هُوَ ذَلِكَ قَالَ
فَاعْنِي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ -

الحمد للہ یہ جلیل و نفیس حدیث صحیح اپنے ہر فقرہ سے وہابیت کش ہے حضور اقدس صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے آجیٹی فرمایا کہ میری اعانت کر۔ اسی کو استغانت کہتے ہیں۔ یہ درکنار
حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلق طور پر سئل فرمانا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ جس
وہابیت پر کیسا پاڑ ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما
سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں۔ جب تو بلا تفسیر و
تخصیص فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی
شرح مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں۔ از اطلاق سوال کہ فرمود سل بحمد
تخصیص نکر و بمطلوبی خاص معلوم میشود کہ کار ہمد بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم ہر چیز خواہد و ہر کار خواہد باذن پروردگار خود و ہدے

فان من جودك الدنيا وضرتها
ومن علومك علم اللوح والقلم
علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں۔

يُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِمْرُ بِالسُّؤَالِ اِنْ
اللَّهُ تَعَالَى مَكْنَهُ مِنْ اِعْطَاءِ كُلِّ مَا ارَادَ مِنْ خِزَائِنِ الْحَقِّ -
یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا۔ اس سے استفادہ
ہوتا ہے۔ کہ اللہ عزوجل نے حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے
جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں پھر لکھا۔

وَذَكَرَ ابْنُ سَبْعٍ فِي خِصَائِصِهِ وَغَيْرِهِ اَنَّ اللّهَ تَعَالَى اِقْطَعَهُ اَرْضَ
الْجَنَّةِ يَعْطَى مِنْهَا مَا شَاءَ لِمَنْ يَشَاءُ -

یعنی امام ابن سبع وغیرہ علمائے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصاص کریمہ میں
ذکر کیا ہے۔ کہ جنت کی زمین اللہ عزوجل نے حضور کی جاگیر کر دی ہے۔ کہ اس میں سے

— ولایت کے معانی : — ولایت کے معانی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے ہیں یہ نسبت

جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی جو بہر متظم میں فرماتے ہیں۔

انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ الذی جعل خزائن
کس ما و معائد نعمہ طوع یدایہ و تحت ارادۃ یتعطی منها من یشاء
و یمنع من یشاء

بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم
کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے دست قدرت کے فرمانبردار اور حضور کے
زیر حکم ارادہ و اختیار کر دیے ہیں۔ کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں۔ اور جسے چاہیں نہیں
دیتے۔

پھر اس جلیل حدیث میں سب سے بڑھ کر جان و ہا بیت پر کیسی آفت کہ حضور قدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
خود حضور سے جنت مانگی کہ۔

اسألك من الجنة۔

یا رسول اللہ میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقت والا سے مشرف ہوں۔
حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اطلبوا الخیر عند حسان الوجوه۔

خیر طلب کرو نیک رویوں کے پاس۔

و فی لفظ اطلبوا الخیر والحوامیج من حسان الوجوه۔

نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔

و فی لفظ اطلبوا الحاجات عند حسان الوجوه۔

حاجتیں خوش جمالوں کے پاس طلب کرو۔

و فی لفظ اذا ابتغیتم المعروف فاطلبوا عند حسان الوجوه۔

موت کے بعد اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ اہل کشف اور محققین کے نزدیک یہ بات

جب نیکی چاہو تو خوب رویوں کے پاس طلب کرو۔

وفي لفظ اذا طلبتم الحاجات فاطلبوها عند حسان الوجوه۔

جب حاجتیں طلب کرو تو خوش چہروں کے پاس طلب کرو۔

وفي لفظ بزيادة فان قضى حاجتك قضاهما بوجه طلق وات

ردك سادك بوجه طلق۔

کہ خوش جمال آدمی اگر تیری حاجت روا کرے گا تو بکشاوہ روئی اور تجھے پھیرے گا۔ تو

بکشاوہ پیشانی۔

اخرجه الامام البخاری في التاريخ وابو بكر بن ابی الدینا في قضاء الحوائج

وابو یعلیٰ فی مسندہ والطبرانی فی الکبیر والعقيلي وابن عدی و

البيهقي في شعب الايمان وابن عساکر۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ یا حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فرماتے ہیں۔

قد سمعنا نبینا قال قولا هُوَ لِمَنْ يَطْلُبُ الْحَوَائِجَ رَاحَةً

اغتدوا واطلبوا الحوائج من زين الله وجهه بصياحة

یعنی بے شک ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بات فرماتے سنا کہ

وہ حاجت مانگنے والوں کے لیے آسائش ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ صبح کرو اور حاجتیں

اس سے مانگو۔ جس کا چہرہ اللہ تعالیٰ نے گورے رنگ سے آراستہ کیا ہے۔ روکھ ٹھنڈی

حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ فرماتے ہیں۔

اطلبوا الفضل عند الرضاء من امتی تعيشوا فی آلتنا فم فان فیہم رحمتی۔

فضل میرے رحم دل امتیوں کے پاس طلب کرو۔ کہ ان کے سائے میں چین کرو گے۔

کہ ان میں میری رحمت ہے۔

وفي لفظ اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمة من امتی تزقوا ویتبحروا۔

ثابت ہے۔ کہ زیارت کرنے والے کی روح اہل مزار کی روح سے انوار و اسرار کا عکس قبول کر

اپنی حاجتیں میرے رحم و دل امتیوں سے مانگو۔ رزق پاؤ گے مرا میں پاؤ گے۔
 و فی لفظ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اللہ عز وجل
 اطلبوا الفضل من الرحاء من عبادی تعیشوا فی اکتافہم
 فانی جعلت فیہم رحمتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فضل میرے رحم و دل بندوں سے مانگو۔ ان کے دامن میں عیش کرو
 گے۔ کہ میں نے اپنی رحمت ان میں رکھی ہے۔

رواہ باللفظ الاول ابن جبان والنخائطی فی مکارم الاخلاق والقضائے
 فی مسند الشہاب والحاکم فی التاریخ و ابوالحسن الموصلی وبالثنائی
 العقیل والطبرانی فی الاوسط وبالثلث العقیلی کلہم عن ابی سعید
 الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کہ حضور والا ارشاد فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اطلبوا المعروف من رجاء امتی تعیشوا فی اکتافہم۔

میرے نرم و دل امتیوں سے نیکی و احسان مانگو۔ ان کے ظل عنایت میں آرام کرو گے۔

اخرجہ الحاکم فی المستدرک عن امیر المؤمنین علی المرتضیٰ کوم اللہ وجہہ الاسف

کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اذا ضل احدکم شیاء و اراد عوناً و هو بارض لیس بہا انیس

فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ

اعینونی فان اللہ عباد الا براہم

جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا راہ بھولے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں

کوئی مہدم نہیں تو اسے چاہیے یوں پکارے۔ اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو۔ اے

اللہ کے بند و میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بند و میری مدد کرو۔ کہ اللہ کے کچھ بندے

ہیں جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔ وہ اس کی مدد کریں گے۔ والحمد للہ رواہ الطبرانی

ہے۔ جیسے ایک آئینے کے مقابلے میں دوسرا آئینہ رکھا جائے۔ اور اس میں عکس پڑے۔ اولیاء اللہ

عن عتبة بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے۔

فیناد یا عباد اللہ احبسوا۔

تویوں ندا کرے۔ اے اللہ کے بندوں روک دو اللہ اسے روک دیں گے۔

رواہ ابن السنی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یوں ندا کرے۔

اعینوا یا عباد اللہ۔

مدد کرو اے اللہ کے بندو۔

رواہ ابن ابی شیبہ والبخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

شفاء السقام امام علامہ مجتہد فہما سیدی تقی الملذوالدین علی بن عبد الکافی و کتاب

الاذکار امام اجل اکمل سیدی ابو ذکریا نووی و احیاء العلوم وغیرہ تصانیف عظیمہ امام الانام حجتہ

الاسلام قطب الوجود محمد غزالی و روض الریاضین و خلاصۃ المفاتر و نشر المحاسن وغیرہ تصانیف

جلیلہ امام اجل اکرم عارف باللہ نقیبہ محقق عبداللہ بن اسعد یافعی و حصن حصین امام شمس الدین

ابوالخیر ابن جزری و مدخل امام ابن الحاج محمد عبد رمی مکی و مواہب لدنیہ و منح محمدیہ امام

احمد قسطلانی و افضل القری لقراء القرآن و جوہر منظم و عقود الجمان وغیرہ تصانیف نام عارف

باللہ سیدی ابن حجر مکی و میزان امام اجل عارف باللہ عبد الوہاب شعرائی و حرز ثمین ملا علی

قاری و مجمع بحار الانوار علامہ طاہر فتنی و لمعات التنقیح و اشعة لللمعات و حذب القلوب

و مجمع البرکات و مدارج النبوة وغیرہ تالیف شیخ شیوخ علماء البند مولانا عبد الحق محدث

دہلوی و فتاویٰ خیرہ علامہ خیر الملہ والدین ربلی و مراقی الفلاح علامہ حسن دفائی شہر بلالی و

مطالع المسرات علامہ فاسی و تشرح مواہب علامہ محمد زرقانی و نسیم الریاض علامہ شہاب

الدین خفاجی وغیرہ تصانیف کثیرہ علمائے کرام و سادات اسلام جن کی تحقیق و تنقیح و اثبات

و تصریح استمداد و اعانت سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں۔

کے مثالی بدن بھی ہوتے ہیں۔ جن سے ظاہر ہو کر وہ طالبانِ امداد کی دستگیری کرتے رہتے ہیں جو

تصحیح المسائل و سیف الجبار و بوارق محمدیہ وغیرہ تصانیف نفیسہ عماد السنۃ معین الحق حضرت مولانا فضل رسول قدس سرہ المقبول بھی دیکھیں یہ تو عام فہم زبان اردو فارسی میں خاص تمہارے ہی مذہب میں تصنیف ہوئیں۔ اور محمد اللہ بارہا مطبوع ہو کر راحت قلوب صادقین و عیظ صدور و عارفین ہو اکیں علی الخصوص کتاب جلیل فیوض ارواح قدس جس میں خاص خاندان عزیزی کے صدہا اقوال صریحہ قائل و ہابیت قبیحہ منقول ہیں۔

دربارہ استغانت صوفیہ کرام کے اقوال افعال احوال اعمال سے دفتر بھرے ہیں۔ دریا بہ رہے ہیں۔ اس ویدے کی صفائی کا کیا کتنا۔ ذرا آنکھوں پر ایمان کی عینک لگا کر حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف ملاحظہ ہو۔ اس مسئلہ میں حضرات اولیائے کرام قدس سرہ ہم سے کیا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ آنچہ مروی و محکی ست از مشائخ اہل کشف و راستمداد از ارواح مکمل و استفادہ ازل خارج از حصر ست و مذکور ست در کتب و رسائل ایشان و مشہور ست میان ایشان حاجت نیست کہ آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند اور اکلمات ایشان عافانا انلذ من ذلک۔

اللہ اکبر ان منکران بے دولت کی بے نصیبی۔ یہاں تک پہنچی کہ اکابر علماء و عرفا کو کلمات حضرات اولیائے کرام سے انہیں نفع پہنچنے کی امید نہ رہی اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔ یوں نہ مانئے۔ تو آزمائیجیے۔ اور ان ہزار ہزار ارشادات بے شمار سے امتحاناً صرف ایک کلام پاک فرزند بلند صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کریں جو تہجیر اعظم اولیا سید الاولیا و امام الاصفیاء و قطب الاقطاب و تاج الاقرا و مرجع الابدال مفزع الافراد اور باعتراف اکابر علماء امام شریعت و سردار امت و محی دین و ملت و نظام طریقت و بحر حقیقت و عین ہدایت و دریائے کرامت ہے۔ وہ کون ہاں وہ سید الاسیاد و اہمب المراد سیدنا و مولانا و ملاؤنا و ملوٹنا و غوثنا و بیٹنا حضرت قطب عالم و غوث اعظم سید ابو محمد عبدالقادر حسنی حسین جیلانی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وہ

لوگ اس بات کے منکر ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

کلام پاک نہ ایسا کہ کسی ایسے ویسے رسالے یا محض زبانوں پر مشہور ہو۔ بلکہ اکابر و اجلہ ائمہ کرام و علمائے عظام مثل امام اجل عارف باللہ سید القراء ثقہ ثبت حجت فقیہ محدث راویۃ المحضرة العلیۃ القادریۃ سیدنا امام ابوالحسن نور الدین علی بن جریر لخمی شطرنوی پھر امام اکرم شیخ الفقہاء و العرفاء عالم ربانی عامل نوائے حکمت یمانی سیدنا امام عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی مکی پھر فاضل اجل فقیہ اکل محدث اجمل شیخ الحرم المحترم مولانا علی قاری حنفی ہروی مکی و بقیۃ السلف جلیل الشرف صاحب کرامات عالی و برکات و معالی مولانا محمد ابوالمعالی مسلمی معالی پھر شیخ شیوخ علماء الہند محقق فقیہ عارف نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیر ہم کبرائے ملت و علمائے امت قدسنا اللہ تعالیٰ باسرار ہم و افاض علینا من برکاتہم و انوارہم نے اپنی تصانیف جلیلہ جمیدہ معتمدہ مستندہ مثل بیجۃ الاسرار شریف و خلاصۃ المفاتیح و نزہۃ الخاطر الفاتر و تحفہ قادریہ و اخبار الاخبار و زبدۃ الآثار وغیرہا میں ذکر و روایت فرمایا کہ حضور پر نور جگر پارہ شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہ و بارک و سلم ارشاد فرماتے ہیں۔ من استغاثتہ فی کربۃ کشف عنہ و من نادانی باسمی فی شدۃ فرجت عنہ من توسل بی الی اللہ فی حاجۃ قضیت حاجتہ و من صلی رکعتین یقرء فی کل رکعۃ بعد الفاتحۃ سورۃ الاخلاص احدی عشرۃ مرۃ ثم یصلی ویسلم علی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم بعد السلام من التمشہد احدی عشرۃ مرۃ و ینکرہ ثم یخطوا الی جہۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ و ینکرہ اسمی و ینکرہ حاجتہ فانہا تقضی باذن اللہ تعالیٰ۔

جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے۔ وہ مصیبت دور ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے۔ وہ سختی دفع ہو۔ اور جو اللہ عزوجل کی طرف کسی حاجت میں مجھے وسیلہ کرے۔ وہ حاجت پوری ہو۔ اور جو دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد فاتحہ گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ پھر سلام پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم پر گیارہ بار درود

چار اولیا قبروں میں زندہ ہیں :- مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ میں نے

وسلام بھیجے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بلا کرے۔ پھر بغداد شریف کی طرف
گیارہ قدم چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت ذکر کرے۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ کے
حکم سے وہ حاجت روا ہو۔

يقول العبد صداقت يا سيدى يا مولائى رضى الله تعالى عنك و
عن كل من كان لك ومنك فالحمد لله الذى جعلك وارث
ابيك المرسل رحمة ومولى النعمة وصلى الله تعالى على ابيك
وعليك وعلى كل من انتهى اليك وبارك وسلم وشرف وكرم آمين
امين يا ارحم الراحمين۔ والحمد لله رب العالمين۔

حضرت ابوالمعالی قدس سرہ العالی کی روایت میں الفاظ کریمہ۔

كشفتُ _____ فرجتُ _____ قضيتُ _____ بصيفةٍ تنكلم

معلوم ہیں۔ وہ ان کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ عمر بزاز قدس سرہ میگوید من شنیدہ ام از حضرت

شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ہر کہ در کتبہ بمن استغاثہ کند گشفتُ عنہ۔ دور گردانم آن

کربت را از او و ہر کہ در شدتے بنام من نلکند فوجت عنہ خلاص بخشم اور ازاں شدت

و ہر کہ در حاجتے تو سل بمن کند در حضرت جل وعلا قضیت لہ حاجت اور ابرآرم علامہ

علی قاری بعد ذکر روایت فرماتے ہیں۔

وقد جرب ذلك مرارا افصح رضى الله تعالى عنه۔

بے شک یہ بارہا تجربہ کیا گیا ٹھیک اور اللہ کی رضا حضرت شیخ پر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام علامہ خاتمہ المجتہدین تقی الملتہ والدین فقیہ محدث ناصر السنۃ ابو الحسن علی بن

عبدالکافی بسکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب مستطاب شفاء السقام میں استمداد و اعانت کو

بہت احادیث صریحہ سے ثابت کر کے ارشاد فرماتے ہیں۔

ليس المراد نسبة النبي صلى الله تعالى عليه وسلم الى الخلق والاستقلال

بالافعال هذا الا يقصد مسلم فصول الكلام اليه ومنعه من باب

اولیاء اللہ میں چار ایسے بزرگوں کو دیکھا ہے جو اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں۔ ان کا یہ تصرف

التلبیس فی الدین والتشویب علی عوام الموحدین۔

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھرتے ہوں۔ یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا۔ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استغاثہ سے منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالتا ہے۔ صدقتہ یا سیدی جزاک اللہ عن الاسلام والمسلمین خیراً۔ آمین۔

فقیر محرت علامہ محقق عارف باللہ امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی کتاب افادت لصاب جوہر منظم میں حدیثوں سے استغاثہ کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں۔

فالموجه والاستغاثۃ بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبغیرہ لیس لہما معنی فی قلوب المسلمین غیر ذلک ولا یقصد بہما احد منہم سواہ فمن لم ینشرح صدرہ لذلك فلیبک علی نفسه نسأل اللہ العافیۃ والمستغاث بہ فی الحقیقۃ هو اللہ والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واسطہ بینہ وبين المستغیث فهو سببہ مستغاث بہ والغوث منہ خلقا وایجادا والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مستغاث بہ والغوث منہ سبباً وکسیاً۔

یعنی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضور کے سوا انبیاء اولیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ اور ان سے فریاد کے یہی معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا ہے۔ نہ قصد کرتا ہے تو جس کا دل اسے قبول نہ کرے۔ وہ آپ اپنے حال پر روئے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں حقیقتہً فریاد اللہ عزوجل کے حضور ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے اور اس فریادی کے بیچ میں وسیلہ و واسطہ ہیں۔ تو اللہ عزوجل کے حضور فریاد ہے۔ اور اس کی فریادرسی یوں ہے کہ مراد کو خلق و ایجاد کرے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور فریاد ہے۔ اور حضور

ان کی زندگی کی حالت سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ ایک خواجہ معروف کرخ رضی اللہ عنہ اور دوسرے

کی فریادرسی یوں ہے۔ کہ حاجت روائی کے سبب ہوں اور اپنی رحمت سے وہ کام کریں۔ جس کے باعث اس کی حاجت روا ہو۔

ایمان سے کمنا یہ وہی علما ہیں۔ جن پر تم انکار استعانت کا بہتان اٹھاتے ہو۔ مگر ہے یہ کہ حیا و ہابیہ کے پاس ہو کر نہ نکلی۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم اذا لم تستح فاصنع ما شئت۔ ع

بے حیا باش وہرچہ خواہی کن

شاہ ولی اللہ صاحب جمعات میں لکھتے ہیں:

امروز اگر کسی را مناسبت بروح خاص پیدا شود و از انجا فیض بردار و غالباً بیرون نیست

از انکہ این معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باشد یا بہ نسبت حضرت امیر المؤمنین

علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پیا بہ نسبت غوث الاعظم جیلانی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

محبوبیت بیان کر کے فرماتے ہیں:-

این مرتبہ ازاں مراتب ست کہ بیچکس را از بشر نداده اند مگر بطفیل این محبوب بر خے از اولیائے

امت اور اشمہ محبوبیت آن نصیب شدہ و مسجود و خلایق و محبوب و لہا گشتہ اند مثل حضرت

غوث الاعظم و مشائخ المشائخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہما۔

مرزا مظہر جانجاناں اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:-

آنچه در تاویل قول حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدھی ہذا علی رقبۃ

کل ولی اللہ نوشتہ اند۔

انہیں کے ملفوظات میں ہے:-

التفات غوث الثقلین بجال متوسلان طریقہ علیہ الیثاں بسیار معلوم شدہ با بیچکس از اہل

این طریقہ ملاقات نشدہ کہ توجہ مبارک آنحضرت بحالش مبذول نیست انحر۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی سیف المسلول میں لکھتے ہیں:-

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دوسرے دو بزرگوں کے نام بھی بتائے گئے۔

فیوض و برکات کارخانہ ولایت اول بریک شخص نازل میشود و ازاں تقسیم شدہ بہر یک از اولیائے عصر میرسد و بیچکس از اولیاء اللہ ہے توسط او فیضی نمیرسد این منصب عالی تا وقت ظهور سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بودہ چون حضرت غوث الثقلین پیدا شد این منصب مبارک بوسے متعلق شد و تا ظهور محمد مدی این منصب بروح مبارک غوث الثقلین متعلق باشد و لهذا آنحضرت "قد می ہذا علی رقبہ کل ولی اللہ" فرمودہ و قول غوث الثقلین "اخوی و خلیلی کان موسیٰ بن عمران" نیز براں دلالت دارد و ملخصاً۔

یہ سب ایک طرف خود امام الطائفہ میاں اسمعیل دہلوی کے بھاری پتھر کا کیا علاج و صراط مستقیم میں اپنے پیر حجتی کا حال لکھتے ہیں :-
روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ۔

اسی میں ہے :-

شخصیکہ در طریقہ قادریہ قصد بیعت می کند البتہ او و جناب حضرت غوث الاعظم اعتقاد کے عظیم بہم میرسد (الی قولہ) کہ خود را از زمرہ غلاماں آنجناب می شمار و اھ ملخصاً۔

اسی میں ہے :-

اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم و حضرت خواجہ بزرگ انج۔

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعہ زبدۃ النصائح میں لکھتے ہیں :-

اگر شخصے بڑے راخانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود و اور اذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخورد خلیے نیست۔

ایمان سے کہیو غوث الاعظم کے یہی معنی ہوئے کہ سب سے بڑے فریادرس یا کچھ اور خدا

کو ایک جان کر کہنا غوث الثقلین کا یہی ترجمہ ہوا کہ جن و بشر کے فریادرس یا کچھ اور ہے۔

تلخیص از برکات الامداد لاهل الاستمداد مولانا احمد رضا بریلوی

یہ نکتہ چونکہ تفصیل طلب ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم اس پر ایک مستقل کتاب لکھیں گے۔ اور تھوڑا سا تذکرہ تو ہم اپنی کتاب "جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں کر آئے ہیں۔
— افضل الانبیاء —

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ حضور ہی کو نبوت ظاہری معجزوں اور کھلم نشانیوں سے ثابت ہوئی۔ جن کی نقل تو اتر کے درجہ تک پہنچتی ہے۔ ہر ایک نبی کے معجزے ایک دو مقاصد کے لیے ظاہر ہوئے۔ مگر نبی علیہ السلام کے معجزات تمام مقاصد کے لیے دلیل نبوت بن کر آئے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور کا تصرف تمام اجزائے عالم پر تھانیں آسمان۔ ملک۔ ملکوت غرضیکہ جو کمالات سابقہ انبیاء کی ذات مقدسہ میں انفرادی طور پر پائے جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اجتماعی طور پر بدرجہ اتم پائے گئے۔

آنچہ خوباں ہم وارند تو تنہا داری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَوَلَا فَخْرَ۔

میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔ اور یہ فخریہ نہیں کنتا۔ ولد آدم اور نبی آدم کا لفظ جنس آدم کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پس آدم علیہ السلام بھی اسی میں داخل ہیں۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔
 آدم من دونہ تحت لوائی۔

آدم علیہ السلام اور اس کے علاوہ تمام ہی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بزرگی و مرتبہ حاصل ہے۔ ان کے حضرت موسیٰ۔ عیسیٰ اور نوح علیہم السلام کا مقام آتا ہے۔ یہ پانچوں رسول اولوالعزم مانے جاتے ہیں۔ اور تمام انبیاء و رسل سے برگزیدہ مانے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان انبیاء کا حصہ اور مجاہدہ بھی بہت زیادہ ہے۔

— قرآن ایک معجزہ ہے —

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ قرآن حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی قدیم ہے۔ اور اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ روز قیامت تک دنیا میں محفوظ رہے گا۔ دوسرے معجزے ظاہر

ہوتے ہیں اور گذر جاتے ہیں۔ مگر قرآن کریم ابدی معجزہ اور زمانہ گذرنے کے باوجود زندہ اور ثابت رہے گا۔ اور ہر دور میں مشاہدہ میں آتا رہے گا۔ قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر یہ بات بہت بڑی دلیل ہے کہ ان قریش کے سامنے جو تمام عرب میں فصاحت و بلاغت کے امام مانے جاتے تھے۔ اور نبی علیہ السلام اور دین اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ یہ دعویٰ پیش کیا گیا کہ

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ -

اگر تم اس کلام میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے۔ کسی شک میں ہو۔ اس کی طرح ایک سورۃ ہی لے آؤ۔

آج تک اس قرآن سے کسی صاحب کو جواب نہیں بن آیا۔ عرب میں اس وقت عربی زبان فصاحت و بلاغت میں نکتہ عروج کو پہنچ چکی تھی۔ وہ لوگ فصاحت کے امام تھے۔ وہ اپنی فصاحت کا سکہ چار و انگ عالم پر بٹھا چکے تھے۔ ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول کو فصاحت و بلاغت کی ایک معجزہ آفرین کتاب دے کر بھیجا۔ کیونکہ دوسرے انبیاء بھی اپنے اپنے وقت کے کمالات کو سرنگوں کرنے کے لیے ویسے ہی معجزے لائے تھے۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں لوگ حبادو کے جنگل میں گرفتار تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب بام عروج پر تھی۔ چنانچہ انہیں ویسے ہی معجزے عطا کیے گئے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعثت کے وقت چوں کہ فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ آپ کو قرآن کی فصاحت و بلاغت سے موید فرمایا۔

غور کا مقام ہے۔ کہ وہی زبان جسے عرب بولتے تھے۔ سمجھتے تھے۔ اور چھوٹے بڑے جانتے تھے۔ قرآن نے پیش کی۔ مگر قرآن کی آیات کے سامنے انہوں نے اپنے عجز و شکست کا اعتراف کیا۔ اور ساری عرب دنیا قرآن کے مقابلہ میں ایک آیت بھی پیش نہ کر سکی۔

— قرآن کا اعجاز —

جب قرآن کی پہلی آیت — اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ — نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ اس وقت کے فصحاء عرب کا طریقہ تھا۔ کہ جس کلام کو فصاحت کے لحاظ سے بہت اونچا خیال کرتے تھے۔ اسے شہرت دوام بخشتے۔ اور دوسرے اہل علم پر اظہار کمال کرنے کے لیے کعبۃ اللہ کے دروازے پر لٹکا دیا

کرتے تھے۔ تاکہ ہر شخص اسے دیکھ سکے۔ جب کلام ربانی پر ان لوگوں کی نظریں پڑیں۔ اور کلام کی مناسبت اور طرز بیان پر غور کیا تو حیران رہ گئے۔ بر ملا کہ اٹھے۔ کہ یہ کلام آدمیوں کا نہیں۔ بلکہ انسان ایسا کلام لانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

معتزلہ کا ایک طبقہ کہتا ہے۔ کہ قرآن پاک کی طرح کلام تالیف کرنے کی تو وہ لوگ طاقت رکھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے سامنے ان کی قوت گویائی اور ہمتوں کو پست کر دیا تھا۔ تاکہ وہ اس کا معارضہ اور مقابلہ نہ کر سکیں۔ ان کی زبانوں پر مہریں لگ گئیں۔ بریں وجہ وہ ایک آیت مقابلہ میں نہ لا سکے۔ اور اس میدان میں شکست کھا گئے۔

معتزلہ کے اس اعتراض میں گو وزن نہیں۔ لیکن پھر بھی یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے۔ کہ وہ لوگ ایسا کلام لانے کی قدرت و قوت رکھنے کے باوجود بھی اور مقابلہ و معارضہ کی پوری خواہش کے باوجود ان کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ اور ان کی زبانیں اس قدر بند ہو گئیں کہ وہ ایک آیت نہ لاسکے۔ معتزلہ دراصل اپنے بوسے اعتراضات اور بیہودہ استدلال سے قرآن پاک کے اعجاز کا براہ راست اعتراف کرنے سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ انہیں کن حالات کے پیش نظر یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ ایسا کلام پیش کرنے کی قدرت رکھتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرح اپنا کلام لانے پر قادر نہیں ہے۔ ورنہ آج تک کوئی نہ کوئی تو مقابلہ میں لاتا۔ اس مضمون کو قرآن پاک خود بطور دعویٰ پیش کرتا ہے۔ تاکہ جسے بھی ہمت ہو۔ اس چیلنج کو قبول کرے۔

قُلْ لَیِّنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ
بِمِثْلِهٖ وَاَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا
اے محمد! ان لوگوں کو فرما دیں۔ کہ اگر تمام جن و انس قرآن کا مثل لانے کے لیے جمع ہو جائیں۔ تو نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کی امداد پر آمادہ ہو جائیں۔

اگر نبی علیہ السلام کی عادات کریمانہ۔ عظیم سیرت اور اعلیٰ کردار پر غور کریں تو یقین کرنا پڑے گا۔ کہ آپ کا سر ایا اللہ تعالیٰ کے اعجاز اور قدرت کا ایک کامل نمونہ ہے۔

ہر جملہ جہاں ترانہ زوگیر است
ہر نغمہ کمال تر اساز و گیر است
اعجاز سخن را بسخن بہت احتیاج
سر غمزہ ز چشم تو اعجاز و گیر است

تمام مخلوقات کے نبی :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کے نبی ہیں جن وانس تمام آپ کے لوائے نبوت کے زیر سایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو رسول الثقلین کہا جاتا ہے۔ آپ کی خدمت میں جنات کا آنا قرآن سننا۔ ایمان لانا۔ اور پھر اپنے ساتھیوں کو قرآن کی تعلیم دینا۔ ساری چیزیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اکثر علماء کی رائے ہے۔ کہ عام جن اور انسانوں پر آپ کی نبوت آپ کا خاصا ہے۔ شیخ جلال اللہ بن سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ بلاشبہ جنات مکلف ہیں۔ اور مکلف وہی ہو سکتا ہے جو پیغمبر سے یا کسی صادق القول سے روایت سنے۔ یہ مسئلہ بھی متفق علیہ ہے کہ جنات میں کوئی نبی نہیں ہوا۔

قرآن پاک میں جنات کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں۔

قَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَيَهْدِي إِلَىٰ الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

جنوں نے کہا! اے قوم! ہم نے ایک کتاب سنی جو حضرت موسیٰ کے بعد اتری ہے۔ وہ

پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور حق بات بیان کرتی ہے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ یہ جن پہلے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت

پر چلتے تھے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جنات مختلف پیغمبروں پر ایمان لاتے رہے ہیں۔ لیکن ان

کے سامنے نہیں آتے تھے۔ فقط کتاب اللہ کو سن کر اور شریعت کے احکام کو معلوم کر کے ہی عمل

کر لیا کرتے تھے۔ ان پیغمبروں نے ہر بالمشافہ جنوں کو دعوت اسلام نہیں دی۔ مگر جناب رسالتمآب

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کو خطاب کیا۔

اور دعوت فرمائی جنوں کو بالمشافہ دعوت ایمان دینا حضور کی خصوصیات میں سے ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضحاک کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی بات صحیح ہے۔

بعض علماء کی تحقیق ہے۔ کہ آپ کی رسالت فرشتوں پر بھی ہے۔ مگر یہ بات شاذ ہے۔ محققین کے

نزدیک آپ کی رسالت کائنات کے ذرہ ذرہ اور موجودات کے گوشہ گوشہ تک ہے۔ اس میں

جمادات۔ نباتات اور حیوانات سب شامل ہیں۔ پتھروں کا سلام کرنا۔ درختوں کا سجدہ کرنا۔ جانوروں

کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا۔ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ آپ کی رسالت عام ہے۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ انسان اور جنات تو اپنے اعمال و افعال میں اختیار دیئے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ان سے کفر اور گناہ صادر ہوتا ہے۔ مگر باقی اشیاء بجز اطاعت و ایمان کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ وہ فرشتوں کی طرح محض وہی کام کرتی ہیں جس کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے۔

وَمَا أَسْأَلُكَ إِلَّا رَحْمَةً
لِّلْعَالَمِينَ۔
ہم نے اپنے رسول کو عالمین کے لیے رحمت
بنا کر بھیجا۔

— معراج بیداری کے عالم میں

حضور علیہ السلام کو بیداری کے عالم میں جسم مبارک کے ساتھ ہی معراج ہوا۔ آپ زمین سے آسمان تک اور پھر اس کے بعد جہاں تک اللہ نے چاہا جسم مبارک کے ساتھ گئے۔ ایمان کا امتحان تو واقعہ معراج پر ہے۔ کہ اتنے تھوڑے وقفہ میں بیداری کے عالم میں جسم اطہر کے ساتھ عرش عظیم سے آگے بلکہ لامکان سے بڑھ کر ان تمام واقعات و خصوصیات کے ساتھ جو صحیح حدیثوں میں درج ہیں۔ حضور علیہ السلام کی سیر کو تسلیم کرنا اور اس کی تصدیق کرنا ایمان کی علامت ہے۔ یہ نسبت عالم اور رحمانیت میں تحقیق شدہ ہے۔ وہ زمانہ کی تنگ دامانی اور اطراف سے بالا ہے۔ بزرگان اہل کشف و شہود نے اسے صریحاً بیان کیا ہے۔ ع

امام اجل سیدی محمد بوسیری قدس سرہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں

سیرت من حرم لسیلا الی حرم	کما سری البدر فی داج من لظلم
و بت ترقی الی ان نلت منزلة	من قاب قوسین لم تدرک ولم ترم
خففت کل مقام بالاصفاة اذ	لودیت بالرفع مثل المفرد العلم
فخرت کل فخر غیب مشرک	و جزت کل مقام غیب مزوحم

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں حرم مکہ معظمہ

سے بیت الاقصیٰ کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ جیسے اندھیری رات میں چودھویں

کا چاند چلے اور حضور اس شب میں ترقی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ قاب قوسین

کی منزل پہنچے۔ جو نہ کسی نے یہ پائی نہ کسی کو اس کی ہمت ہوئی۔ حضور نے اپنی نسبت

ایمان کا تقاضا یہ ہے۔ کہ واقع معراج کی خبر سنتے ہی بلا توقف و تامل اس واقعہ کی حقیقت

سے تمام مقامات کو لپٹ فرما دیا۔ جب حضور رفع کے لیے مفرد علم کی طرح نڈا فرمائے گئے حضور نے ہر ایسا فخر جمع فرمایا جو قابل شرکت نہ تھا۔ اور حضور ہر اس مقام سے گذر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا۔ یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلا شرکت جمع فرمایے۔ اور حضور تمام مقامات سے بے مزاحم گذر گئے۔ یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔

علامہ علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ای انت دخلت الباب وقطعت الحجاب الی ان لم تترك غایة لساع
الی السبق من کمال القرب المطلق الی جناب الحق ولا ترک موضع
رتقی و صعود و قیام و قعود لطالب رفعتی عالم الوجود بل تجاوزت ذلك
مقام قاب قوسین ادا دنی فادھی الیک ربک ما اوحی۔

یعنی حضور نے یہاں تک حجاب طے فرمائے کہ حضرت عزت کی جناب میں قرب مطلق کامل کے سبب کسی ایسے کے لیے جو سبقت کی طرف دوڑے کوئی نہایت نہ چھوئی اور تمام عالم وجود میں کسی طالب بلندی کے لیے کوئی عروج و ترقی یا اٹھنے بیٹھنے کی باقی نہ رکھی۔ بلکہ حضور عالم مکان سے تجاوز فرما کر مقام قاب قوسین ادا دنی تک پہنچے۔ تو حضور کے رب نے حضور کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ نیز امام ہمام ابو عبد اللہ شرف الدین محمد قدس سرہ ام القرنی میں فرماتے ہیں۔

وَمَلِكِ السَّيَادَةِ الْفَعَاءِ

و ترقی بہ الی قاب قوسین

و نساء ما وراہن و راء

رَبِّكَ تَقْطَعُ الْاِمَانِي حَسْرَتِي

حضور کو قاب قوسین تک ترقی ہوئی۔ اور یہ سرداری لازوال ہے۔ یہ وہ مقامات

ہیں کہ آرزو میں ان سے تھک کر گر جاتی ہیں۔ ان کے اس طرف کوئی مقام ہی نہیں امام

ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی اس کی شرح افضل القرنی میں فرماتے ہیں۔

قال بعض الائمة والمعاديج ليلة الاسراء عشرة سبعة في السموات الثامن

کیفیت کو یقینی طور پر مان لیا جائے۔ اس میں ذرہ بھر تردد و خلجان نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس واقعہ

الی سدرۃ المنتہی والتاسع الی المستوی والعاشر الی العرش الخ
بعض ائمہ نے فرمایا شب اسراوس معراجیں تھیں۔ سات ساتوں آسمانوں میں اور آٹھویں
سدرۃ المنتہی نوبں مستوی دسویں عرش تک۔

سیدی علامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی قدس سرۃ القدسی نے حدیث مذکورہ شرح طریقہ
محمدیہ میں اسے نقل فرما کر مکرر رکھا۔

حیث قال قال شہاب المکی فی شرح ہمزیۃ الابوصیری عن بعض الائمة
ان المعارج عشرۃ الی قوله والعاشر الی العرش والرؤیۃ۔

معراجیں دس ہیں۔ دسویں عرش و دیدار تک۔ نیز شرح ہمزیہ امام مکی میں ہے

لما اعطی سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام الریح التي غدوھا شہر و
رواحھا شہر اعطی نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم البراق فحملہ من القریش
الی العرش فی لحظة واحدة و اقل مسافة فی ذلک سبعة الاف سنة
و ما فوق العرش الی المستوی و الرقرف لا یعلمہ الا اللہ تعالیٰ۔

جب سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو ہوا دی گئی کہ صبح شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی
ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لمحہ
میں لے گیا اور اس میں اونی مسافت (یعنی آسمان ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس
کی راہ ہے۔ اور وہ جو فوق العرش سے مستوی و رفرف تک رہی۔ اُسے تو خدا ہی جانے۔
اسی میں ہے۔

لما اعطی موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام الکلام اعطی نبینا صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم مثل لیلۃ الاسراء و زیادۃ الدنور و الرؤیۃ بعین البصر
و شتان ما بین جبل الطور الذی نوحی بہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام
و ما فوق العرش الذی نوحی بہ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

جب کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو دولت کلام عطا ہوئی۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

کی تفصیلات و حقائق سے خداوند تعالیٰ خود مطلع فرماوے تو یہ اس کی عنایت ہے۔ اس حقیقت کو

وسلم کو ویسی ہی شب اسرائیلی اور زیادت قرب اور چشم سر سے دیدار الہی۔ اس کے علاوہ اور بھلا کہاں کوہ طور جس پر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مناجات ہوئی اور کہاں فوق العرش جہاں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام ہوا۔ اسی میں ہے۔

رقیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدانہ یقظة لیلة الاسراء الی السماء ثم الی سدرة المنتھی ثم الی المستوی ثم الی العرش والوقوف والرویة

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جسم پاک کے ساتھ بیداری میں شب اسرائیلوں تک ترقی فرمائی۔ پھر سدرہ المنتھی پھر مقام مستوی پھر عرش ورفرف وریزات تک۔

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تعلیقات افضل القرانی میں فرماتے ہیں۔

الاسراء بہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یقظة بالجسد والروح من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی ثم عرج بہ الی السموات العلی ثم الی سدرۃ المنتھی ثم الی المستوی ثم الی العرش والوقوف۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج بیداری میں بدن وروح کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوئی پھر آسمانوں پھر سدرہ پھر مستوی پھر عرش ورفرف تک فتوحات احمدیہ شرح البہرۃ للشیخ سلیمان الجہلی میں ہے۔

رقیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلة الاسراء من بیت المقدس الی السموات السبع الی حدیث شاء اللہ تعالیٰ لکنہ لم یجاوز العرش علی الراجح۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی شب اسرائیل بیت المقدس سے ساتوں آسمان اور وہاں سے اس مقام تک ہے جہاں تک اللہ عزوجل نے چاہا۔ مگر راجح یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوز نہ فرمایا۔ اسی میں ہے۔

المعارج لیلة الاسراء عشرة سبعة فی السموات والثامن الی سدرۃ المنتھی و
الناسم الی المستوی والعاشر الی العرش لکن لم یجاوز العرش کما هو التحقیق عند

عارفانِ حق اور بشریت کے پردے سے بے نیاز بزرگانِ دین اچھی طرح جانتے ہیں جہاں سچی محبت

معراج میں شبِ اسرارِ اس ہوئیں۔ سات آسمانوں میں اور آٹھویں سدرہ۔ نویں مستوی
دسویں عرش تک مگر راویانِ معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمایا
اسی میں ہے۔

بعد ان جاوز السماء السابعة رفعت له سدرۃ المنتهى ثم جاوزها الى مستوی
ثم ذبح به فی النور فخرق سبعین الف حجاب من نور مسیرة کل حجاب
خمس مائة عام ثم دلی له رفر فاحضر فارتقی به حتی وصل الى العرش
ولم یجاوزه فكان من ربه قاب قوسین اودائی۔

جب نبیِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمانِ ہفتم سے گزرے۔ سدرہ حضور کے سامنے
بلند کی گئی۔ اس سے گزر کر مقامِ مستوی پر پہنچے۔ پھر حضور عالمِ نور میں ڈالے گئے۔ وہاں
سبزیزارِ پردے نور کے طے فرمائے۔ ہر پردے کی مسافت پانسو برس کی راہ۔ پھر ایک
سبز بچھونا حضور کے لیے لٹکایا گیا۔ حضور اس پر ترقی فرما کر عرش تک پہنچے۔ اور عرش
سے ادھر گزر نہ فرمایا۔ وہاں اپنے رب سے قاب قوسین اودائی پایا۔

اقول شیخ سلیمان نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی اور امام ابن حجر
مکی وغیرہ کی عبارات ماضیہ و آتیہ وغیرہ میں فوق العرش و لامکان کی تصریح ہے لامکان
یقیناً فوق العرش ہے۔ اور حقیقتہً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ عرش تک
منتہائے مکان ہے۔ اس سے آگے لامکان ہے۔ اور جسم نہ ہوگا۔ مگر مکان میں تو حضور
اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے
اور روح اقدس نے وراء الوراہ تک ترقی فرمائی۔ جسے ان کا رب جانے جو لے گیا۔
پھر وہ جانیں جو تشریف لے گئے۔ اس طرف کلامِ شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اشارہ
عنقرب آتا ہے کہ ان پاؤں سے سب کا منتہائے عرش ہے۔ تو سیر قدم عرش پر ختم ہوئی نہ
اس لیے کہ سیر اقدس میں معاذ اللہ لوثی کمی رہی بلکہ اس لیے کہ تمام اماکن کا احاطہ
فرمایا۔ اوپر کوئی مکان ہی نہیں۔ جسے کہیے کہ قدم پاک وہاں نہ پہنچا۔ اور سیر قلبِ نور

پختہ یقین اور کامل ایمان ہوتا ہے۔ وہاں تردد و تامل حائل نہیں ہوتے۔ یہاں تو سنا اور ایمان

کی انتہا قاب قوسین اگر سو سو گزرے کہ عرش سے در کیا ہوگا۔ کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا تو امام اجل سیدی علی و فارضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سنیے۔ جسے امام عبد الوہاب شعرانی نے کتاب ایواقیت و الجواب فی عقائد الاکابر میں نقل فرماتے ہیں۔
لیس الرجل من یقیدہ العرش وما حواہ عن الافلاک والجنة والنار
وان الرجل من نفذ بصرہ الی خارج لهذا الوجود کلہ و ہناک
یعرف قدر عظمتہ موجدہ سبحنہ و تعالیٰ۔

مردودہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے۔ افلاک و حبت و نار یہی چیزیں محدود و مقید کر لیں۔ مردودہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے۔ وہاں اسے موجد عالم جل جلالہ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

امام علامہ احمد قسطلانی مواعظ لدنیہ و منح محمدیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی

شرح میں فرماتے ہیں۔

(ومنها انہ رای اللہ تعالیٰ بعینہ) یقظۃ علی الراحم (وکلمہ اللہ تعالیٰ فی الرفیع
الاعلیٰ) علی سائر الامکنۃ و قد روی ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مرفوعاً لما استسری قریبہ ربی حتی کان بینی و بینیہ قاب قوسین او ادنی۔
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور نے اللہ عزوجل کو اپنی آنکھوں
سے بیداری میں دیکھا۔ یہی مذہب راجح ہے۔ اور اللہ عزوجل نے حضور سے اس بلند
و بالاتر مقام میں کلام فرمایا جو تمام امکان سے اعلیٰ تھا۔ اور بے شک ابن عساکر نے انس
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شب
اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے
کم کا فاصلہ رہ گیا۔ اسی میں ہے۔

قد اختلف العلماء فی الاسرا هل هو اسرا واحد اور اسراء ان ہرۃ بروحہ و
بدنہ یقظۃ بروحہ و جسدہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی ثم مناما

من المسجد الاقصى الى العرش فالحق انه اسراء واحد بروح وجسد لا يفظت في القصة
كلها والى هذا ذهب الجمهور من علماء المحدثين والفقهاء والمتكلمين۔

علماء کو اختلاف ہوا کہ معراج ایک ہے یا دو ایک بار روح و بدن اقدس کے ساتھ بیداری
میں اور ایک بار خواب میں یا بیداری میں روح و بدن مبارک کے ساتھ مسجد الحرام سے
مسجد اقصیٰ تک۔ پھر خواب میں وہاں سے عرش تک۔ اور حق یہ ہے کہ وہ ایک ہی اسراء
ہے۔ اور سارے قصے میں یعنی مسجد الحرام سے عرش اعلیٰ تک بیداری میں روح و بدن اطہر
کے ساتھ ہے۔ جمہور علماء محدثین و فقہاء و متکلمین سب کا یہی مذہب اسی میں ہے۔

المعارج عشرة (الی قولہ العاشر الی العرش۔

معراجیں دس ہوئیں۔ دسویں عرش تک اسی میں ہے۔

قد ورد في الصحيح عن انس رضي الله تعالى عنه قال عمر جبريل الى
صدره المنتهى ودنا الجبار رب العزة فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى مذاب
على ما في حديث شريك كان فوق العرش۔

صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم فرماتے ہیں میرے ساتھ جبریل نے صدرۃ المنتہیٰ تک عروج کیا۔ اور جب بار رب
العزۃ جل جلالہ نے ولو تدلی فرمائی تو فاصلہ دو کمانون بلکہ ان سے کم کا رہا یہ تدلی بالائے
عرش تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ علامہ شہاب سخاوی نسیم الریاض شرح شفاۃ
امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔

ورد في المعراج انه صلى الله تعالى عليه وسلم لما بلغ صدره المنتهى جاءه بالرفرف
جبريل عليه الصلوة والسلام فتناول فطاربه الى العرش۔

حدیث معراج میں وارد ہوا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدرۃ المنتہیٰ
پہنچے۔ جبرائیل امین علیہ الصلوة والتسلیم ررفرف حاضر لائے۔ وہ حضور کو لے کر عرش
تک اڑ گیا۔ اسی میں ہے۔

سیدنا صدیق اکبر کا ایمان :- حضرت ابو بکر صدیق کا لقب اس دن سے صدیق ہوا

علیہ یدل صحیح الاحادیث الاحادیث اندالۃ علی دعوہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 بجنۃ ووصولہ الی عرش او طرف العالم کما سیاق کل ذلک بجسدہ یقفہ۔
 صحیح احمد حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب اسرار جنّت
 میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا عالم کے اس کنارے تک کہ آگے لامکان
 ہے۔ اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔

حضرت سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ
 شریف باب ۱۶ میں فرماتے ہیں ۔

اعلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما کان خلق القرآن وتخلق بالاسماء وکان
 اللہ سبحنہ وتعالیٰ ذکر فی کتابہ العزیز نہ تعالیٰ استوی علی العرش علی طریق التمدح
 والثناء علی نفسہ ذکان عرش اعظم رجاء فجد نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
 من ہذا استواء نسبة علی صریق التمدح والثناء بہ علیہ حیث کان اعلیٰ مقام
 ینتھی ایہ من اشہبہ من الرسول علیہم الصلوٰۃ والسلام وذلك یدل علی انه
 اشہبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بجسمہ ولو کان الاسرۃ رؤیا لما کان الاسرۃ
 ولا الوصوں انی ہذا المقام تمدحاً ولا وقع من الاعراب انکار علی ذلک۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔ اور حضور اسماء امیہ کی خوبصورت
 رکھتے تھے۔ اور اللہ سبحنہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی صفات مدح سے عرش پر استواء
 بیان فرمایا تو اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس صفت استوی علی
 العرش کے پر تو سے مدح و منقبت بخشی کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جس تک رسولوں
 کا اسراء منتہی ہو اور اس سے ثابت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسراء
 مع جسم مبارک تھا۔ کہ اگر خواب ہوتا تو اسراء اور اس مقام استواء علی العرش تک پہنچنا
 مدح نہ ہوتا۔ نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب یواقیت

تھا۔ جس دن انہوں نے بلاتامل و تردد واقعہ معراج کی تصدیق کر دی تھی۔ اور فوراً مسلمان ہو گئے حالانکہ

والجواہر میں حضرت موصوف سے ناقل "انما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی سبیل القمۃ
حتی ظہرت لمستوی اشارۃ لما قلنا من ان منتہی السیر بالقدم المحسوس العرش۔
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بطور مدح ارشاد فرمانا کہ ساق تک کہ میں مستوی پر بلند ہوا
اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قدم جسم سے سیر کا منتہی عرش ہے۔

مدارج النبوة شریف میں ہے: "فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پس گستر ایندہ شد
برائے من رفرف سبز کہ غالب بود نور او بر نور آفتاب پس درخشید باں نور بصر من نہادہ شد
من بر اں رفرف و برداشتہ شد تا بر سیدم بعرش"۔ اسی میں ہے "آوردہ اند کہ چون رسید
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعرش دست زد عرش بدماں اجلال وے اشعۃ اللمعات
شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے "بجز حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالاترازاں هیچ
کس نہ رفتہ و آنحضرت بجائے رفت کہ آنجا جانیدست۔"۔

بدراشت از طبیعت امکان قدم کہ آن

اسری بعبدہ است من المسجد الحرام

تا عرصہ وجوب کہ اقصائے عالم است

کانجا نہ جاست نے جہت و نے نشان نہ نام

نیز اسی کے باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ فصل سوم زیر حدیث قدرای ربہ مزین ارشاد
فرمایا "بتحقیق دید آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پروردگار خود را جل و علا دو بار یکے چون
نزدیک سدرۃ المنتہیۃ بود دوم چون بالائے عرش برآمد۔"

مکتوبات حضرت فیض مجدد الف ثانی جلد اول مکتوبات ۲۸۳ میں ہے: "آں سرور
علیہ الصلاۃ والسلام در اں شب از دائرہ مکان و زماں بیرون جست و از تنگی امکان بر
آمدہ ازل و ابد را آن واحد یافت و ہدایت و نہایت را در یک نقطہ متحد دید۔ نیز مکتوب
۲۷۲ میں ہے: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین بہت و بہترین
موجودات اولین و آخرین بدولت معراج بدئی مشرف شد و از عرش و کرسی درگزشت

کئی مسلمان بھی اس مسئلہ پر تردد میں پڑ کر ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اور مرتد ہو گئے بھرت ابو بکر
 وازمکان وزمان بالارفت۔

امام ابن الصلاح کتاب معرفۃ النواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں۔
 قول المصنفین من الفقہاء وغیرہم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کذا وکذا وھو ذلک کلہ من قبیل المعضل وسماہ الخطیب ابو بکر الحافظ
 مرسلہ وذلک علی مذهب من یسعی کل ما لا یتصل مرسلہ۔
 تلویح وغیرہ میں ہے۔ ان لم یذکر الواسطۃ اصلاً فرسل
 مسلم الثبوت میں ہے۔ المرسل قول العدل قال علیہ الصلوٰۃ والسلام
 فواتح الرحموت میں ہے۔ الكل داخل فی المرسل عند اهل الاصول۔
 انہیں میں ہے۔ المرسل ان کان من الصحابی یقبل مطلقاً اتفاً قان من غیرہ
 فالاکثر ومنہم الامام ابو حنیفہ والامام مالک والامام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم
 قالوا یقبل مطلقاً اذا کان الراوی ثقۃ الخ
 مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: لا یضرب ذلک فی الاستدلال بہ ہنأ لان
 المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماً عاً۔
 شفاۃ امام قاضی عیاض میں ہے۔ اخبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تقتل علی وانہ قسیم النار
 نسیم الریاض میں فرمایا: ظاہر ہذا ان ہذا ما اخبر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا انہم
 قالوا المریرۃ احد من المحدثین الا ان ابن الاثیر قال فی النہایۃ ان علیاً
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال انا قسیم النار قلت ابن الاثیر ثقۃ وما ذکرہ علی
 لا یقال من قبل الراوی فھو فی حکم المریرۃ۔ اھ ملخصاً۔
 امام ابن الہمام فتح القدر میں فرماتے ہیں: عدم النقل لا ینفی الوجود۔ واللہ
 تعالیٰ اعلم۔

ماخوذ از منبہ المنیب بوصول الجیب الی العرش والرویہ

صدیق کا ابتدائی طور پر ایمان لانا بھی بلاتامل و تردد کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آیات کی ضیاءِ پاستیاں ہر طرف جلوہ گر تھیں مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک معجزہ بھی دریافت نہیں کیا۔ اور فوراً بے توقف ایمان لے آئے۔ جب حضور علیہ السلام معراج سے تشریف لے آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا حال آپ سے پوچھا گیا۔ تو آپ نے بعض صحابہ کو ایسا جواب دیا جس میں کھلی ہوئی حقیقت تھی۔ بعض کو اشارۃً باتیں بیان کیں۔ ہر شخص سے اس کی حالت و استعداد سے گفتگو کی گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص میں یہ اہمیت نہیں ہوتی کہ اس سے ہر حقیقت کا اظہار کیا جائے۔ اور سر بستہ راز کھول دیے جائیں۔ بات تو ایک ہوتی ہے مگر عبارات و الفاظ مختلف ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے حق تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ ورنہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا تو ہر حال میں ہر شخص کو جائز ہے۔ اس میں معراج کی خصوصیت کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ دل کی آنکھوں سے دیکھنا اور ہے۔ اور دل سے جانا اور ہے۔

— امت محمدیہ کی فضیلت :

حضور نبی علیہ السلام کی امت تمام انبیاء امتوں سے بہتر ہے جس طرح خود حضور علیہ السلام کی ذات تمام انبیاء سے افضل ہے۔ ویسے ہی آپ کی امت ساری امتوں سے افضل ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ
لِلنَّاسِ۔ تم بہترین امت ہو جنہیں نبی آدم کے لیے پیدا کیا گیا۔

حدیث شریف میں ہے۔ کہ تمہاری عمر اور بقا کا زمانہ پہلی امتوں کی عمر کے مقابلہ میں ایسا ہے۔ جیسے عصر سے مغرب کا وقت ہو۔ تھوڑے وقت کے باوجود ہم تمہیں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب دیں گے۔ تمہاری حالت یہود و نصاریٰ کی نسبت اس مثال سے واضح ہو جاتی ہے۔

ایک شخص نے کئی مزدوروں کو کام پر لگایا۔ اور صبح سے ظہر تک ہر ایک مزدور کو ایک قیراط مزدوری مقرر ہوئی۔ مگر بعض ایسے مزدور تھے جنہیں ظہر سے عصر تک کام کرنے کا ایک قیراط دیا گیا۔ مگر بعض ایسے بھی تھے جنہیں عصر سے مغرب تک کی مزدوری کے دو دو قیراط دیئے گئے۔ پہلے

دونوں بہت غصہ کرنے لگے۔ کہ ہم نے اتنے طویل عرصہ کے لیے ایک ایک قیراط پاپا مگر اسے
 تھوڑے عرصہ کے لیے دو قیراط ملے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا۔ کہ تم سے جو مزدوری مقرر کی
 گئی تھی۔ وہ تمہیں دے دی گئی۔ مگر اسے ہم نے اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے۔
 اس مثال میں پہلے سے یہودی مراد لیے گئے ہیں۔ دوسرے سے نصاریٰ اور تیسرے
 طبقے سے مسلمان مراد ہیں۔ پیدائش میں امت محمدیہ سب سے آخر آئی۔ مگر کثرت ثواب و فضائل میں
 سب سے اولین ہے۔ حقیقت میں جو علوم و معارف اور عجائبات و غرائب اس امت کے ہر شخص کو
 عطا ہوئے۔ وہ کسی امت کے افراد کو کب میسر آئے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔
— شریعت محمدیہ اعلیٰ ترین شریعت ہے۔ —

دین مصطفوی پہلے تمام ادیان سے کامل تر اور جامع تر ہے۔ اس دین نے تمام ادیان کے
 ضوابط کو منسوخ کر دیا۔ جس طرح حضور خاتم الانبیاء ہوئے اور آپ کے بعد کسی نبی کے آنے کا
 امکان نہیں۔ ویسے ہی آپ کی شریعت کے بعد کوئی شریعت نہیں آئے گی۔ اور کسی کمال کا انتظار
 نہیں ہوگا۔ حضور نے فرمایا۔

بُعِثْتُ لِأَتِمَّ مَكَامَ
 الاخلاق۔
 میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق
 کی تکمیل کروں۔

موسٰی علیہ السلام کی شریعت میں قہر و جلال بہت زیادہ تھا۔ توبہ کے لیے اکثر جانیں قربان کرنا
 پڑتی تھیں۔ پاک چیزیں حرام کر دی جاتی تھیں۔ بغنیمت کے مال سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ بعض گناہوں
 پر فوری عذاب الہی نافذ ہوتا تھا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام کی عظمت و شدت اور اعداء دین پر سختی کا یہ عالم
 تھا۔ کہ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ کہ آپ کی طرف دیکھ سکے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام لطف و مہربانی کا مظہر تھے۔ ان کی شریعت میں فضل و احسان بہت زیادہ
 تھا۔ قتل و جدال کی بالکل ممانعت تھی۔ بعض اوقات قتال حرام قرار دیا گیا تھا۔ انجیل میں آیا ہے۔ کہ اگر
 تیرے ایک رخسار پر ٹمانچہ مارا جائے تو تم دوسرا رخسار پیش کر دو۔ جو شخص تمہارے کسی کپڑے کے
 کونہ کو ہاتھ میں کپڑے۔ اسے سارا کپڑا دے دو۔ جو شخص ایک میں تک تمہیں تمسخر کرتا جائے اس کے
 ساتھ دو میل تک چلتے رہو۔ اور اس پر یوں احسان کرو۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس پر کمال کے مظاہر کو پورا کر دیا۔ اور
 کی شخصیت میں جلال و جمال کی ساری رعنائیاں جمع ہو گئیں۔ لطف و قہر یکجا ہو گئے۔ ایک طرف حضرت
 موسیٰ علیہ السلام کی قوت و شدت اور دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لطف و کرم اور فضل و
 کی ساری خصوصیتیں بدرجہ اتم آگئیں۔ اور پھر یہ ساری خصوصیات نہایت اعتدال سے جلوہ گر ہوئیں
 نے فرمایا۔

انا الضحوک القتل
 میں ہمیشہ مسکراتا ہوں و میری مسکراہٹ پر اہل
 جان نثار ہو گئے۔

یہ صفت آپ کی جامعیت کا کمال ہے۔

بمخندہ نمکیں دل بری و حساب بخشی

تبارک اللہ این پوہ خندہ و جب لب است

خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَ
 اللہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دیتا
 اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی حضور علیہ السلام کی عدالت و شریعت کی خصوصیت کی وضاحت کی گئی
 آنحضرت کی عادات شریفہ اور فضائل عالیہ حضور کی شریعت مطہرہ اور معتدل احکامات اور دین اوسط
 کی ساری حقیقت ابھر کر سامنے آگئی ہیں۔

صحابہ کرام کی فضیلت :-

آپ کے صحابہ ساری امت سے افضل اور بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کی صحبت
 نصرت کے لیے پسند کیا۔ اور ملت محمدیہ اور دین اسلام کی عظمت ان صحابہ سے بلند ہوئی۔

صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و نصرت کے اہل تھے۔ اور ان پاکیزہ خلد
 کے اہل تھے۔ جو ان پر سپرد کی گئیں تھیں۔ صحابہ کرام کی شان اور برتری میں اس قدر احادیث
 ہیں۔ کہ ان کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا رتبہ ساری امت سے بلند تر اور ثواب
 سے زیادہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو صحابہ کے نصف پیمانہ دینے کے ثواب تک نہیں پہنچ سکتا۔ حدیث خیر القرون قرنی بھی اس مطلب کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے صحابہ کرام کی بزرگی ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں تاب کو اپنی آنکھوں دیکھا۔ آپ کی پاکیزہ صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ قرآن اور دین کو آپ کی زبان سے براہ راست سنا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے واقف ہوتے رہے۔ اپنی مال و جان راہ مصطفیٰ میں نثار کرتے رہے۔ صحابہ ایسے مومن تھے کہ جنہوں نے حضور کو ایمان کی حالت میں دیکھا اور ایمانی حالت میں دنیا کو خیر باد کہا۔ حضور کو ایمان سے ایک نگاہ دیکھنا صحابی بنا دیتا ہے۔ مگر بعض علماء کی رائے میں صحابی کیلئے حضور کی مصاحبت اور مجالست شرط ہے۔ جہاد و غزوات میں شریک رہا ہو اور کم از کم چھ ماہ مجلس میں رہا ہو۔ کیونکہ ایک نظر دیکھنے اور ایک لمحہ مجلس میں بیٹھنے سے مصاحبت کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔

علماء کرام کی رائے ہے کہ خیویت واقفیتنی۔ صحابہ کرام کی جماعت کے لیے ہی کہا گیا تھا۔ مگر اکثر علماء کرام کا یہ فیصلہ ہے کہ جس شخص نے ایک نگاہ سے بھی سرکارِ دو عالم کو دیکھا وہ اس فضیلت کا مستحق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور کے چہرے پر ایک نگاہ دیکھنا اور ایک لمحہ آپ کی مجلس میں بیٹھنا بڑی بات ہے۔ اور بڑی مشکلات کا حل ہے۔ اور دوسرے ان منازل کو چالیس سال تک بھی طے نہیں کر سکتے۔ یہ بات قوت القلوب میں تفصیلی طور پر موجود ہے صحابہ کی افضلیت :

جن علماء کرام نے صحابہ کرام کی افضلیت کے متعلق لکھا ہے۔ ان میں سے حضرت ابو عمرو بن عبد البر کا نام بڑا مشہور ہے۔ آپ علماء حدیث میں سے بلند پایہ مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ایسا کب ہو سکتا ہے کہ صحابہ کے بعد کوئی شخص ان کے رتبہ کو پاسکے حدیث پاک میں ہے۔

مثل امتی کمثل مطر لا یدری یہ امت بارش کے ان قطروں کی طرح ہے

اولہ خیرا ما اخرہ۔ آخری قطرہ پہلے قطرہ سے کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ ایک صحابی نے دریافت کیا: "یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک رہے۔ کیا ہم سے بہتر کوئی قوم ہو سکتی ہے؟" آپ نے فرمایا: "ہاں۔ تم سے بہتر وہ قوم ہوگی جو مجھے دیکھے بغیر ایمان لائے گی۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان قبول کیا اس پر تو آپ کا ظاہر روشن تھا۔ مگر لوگ حضور کو بلا دیکھے ایمان لے آئے۔ ان کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ بعض مفسرین نے "یومنون بالغیب" سے یہی معانی لیے ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ آخرین زمانہ میں طریقہ سنت پر چلنا ہاتھ پرانگوارہ لیکر چلنے سے کم تر نہیں ہے۔ جو شخص ان حالات میں سنت رسول پر چلے گا اُسے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ کسی نے عرض کی یا رسول اللہ پچاس ہم جیسے آدمیوں کا ثواب ہو گا۔ یا اس وقت کے پچاس جیسے۔ فرمایا، تم جیسے پچاس۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ مگر حقیقت میں جہور علماء کا مذہب ہی مختار و مستند ہے اور بعد میں آنے والے حضرات کے لیے جس ثواب افضلیت اور درجہ کا بیان کیا گیا ہے وہ ان کے بغیر دیکھے ایمان لانے کی بنا پر ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ فضیلت کلی صحابہ کے حق میں ہے۔ فضل جوئی فضل کلی کے مخالف نہیں ہو سکتا۔

ابن عبدالبر کا اختلاف اس وقت ہے کہ صحابی کے معنی عام کیے جائیں اور یوں کہا جائے کہ صحابی وہ ہے جس نے نبی علیہ السلام کو ایک نظر دیکھا ہو۔ مگر صحابی کے خاص معنی یہ ہیں، تو جس شرف محبت اور دائمی ہم نشینی ملی ہو۔ وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ ابن عبدالبر جہور کے مسلک کے بالکل ہمنوا ہیں۔ کہ حضور کے جمال مبارک پر نظر کرنے سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں اگرچہ اولیاء اللہ کو معنوی صحبت آنحضرت نصیب ہے۔ مگر وہ صحابی کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

خلفائے اربعہ :

چاروں خلفائے راشدین جو آنحضرت کے جانشین ہوئے ہیں تمام صحابہ کرام سے افضل تھے۔ اسلام میں ان چار خلفاء کے مناقب۔ درجات اور فضائل اس قدر نہیں کہ تمام صحابہ

کے پاس اتنی نیکیاں نہیں۔

خلفاء اربعہ کی فضیلت :

چاروں اصحابہ کرام کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اور اس فضیلت سے ثواب کی زیادتی بھی پائی جاتی ہے۔

ان دونوں مقامات میں سے اول مقام یہ ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور برحق ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق۔ ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ ترتیب افضلیت کا مسئلہ اہل سنت کے ہاں ایمانیات میں سے ہے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت بعض کے نزدیک نص قرآنی اور حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور جمہور علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا۔ ان کی اطاعت و فرمان برداری قبول کی۔ اور دنیا و آخرت کے سارے معاملات ان کے احکام کی روشنی میں حل کیے۔ اور ان کی ہدایت پر چلتے رہے۔ ان میں سے حضرت ابوذر غفاری۔ سلمان فارسی اور صہیب جیسے جلیل القدر صحابہ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دین کے معاملہ میں ذرہ بھر کی مداہنت برداشت نہ کرتے تھے۔ اور انہی کی شان میں آیا تھا۔

لَا يَخَافُونَ كَوْمَةً لَّائِيَةً۔ یہ لوگ کسی ملامت سے ڈرتے نہیں تھے۔

اگرچہ امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت عباس ابن عبد المطلب اور بعض دوسرے صحابہ جن میں حضرت طلحہ زبیر مقداد بن اسعد جیسے جلیل القدر صحابی شامل ہیں نے بیعت عام کے وقت بیعت نہیں کی تھی۔ مگر دوسرے وقت ان سب نے بیعت کر لی۔ اور آپ کی اطاعت قبول کر لی اور ہمیشہ آپ کی فرمانبرداری میں رہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے پاس بلا یا خطبہ دیا اور فرمایا، میں حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنی بیعت کی تکلیف نہیں دے سکتا۔ کیونکہ انہیں پورا اختیار رہے کہ جو فیصلہ چاہیں کریں۔ اور آپ لوگوں کو بھی پورا حق ہے کہ بیعت کے معاملہ میں انصاف اور آزادانہ رائے کا اظہار کریں۔ مگر جو صاحب کسی دوسرے کو مجھ سے اولیٰ تر یا اعلیٰ تر خیال کرے اس کے ہاتھ میں بیعت کریں

اور میں بھی اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہوں یہ بات سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 اور دوسرے جلیل القدر صحابہ نے کہا کہ ہم آپ سے اعلیٰ اور اولیٰ کسی کو نہیں جانتے۔ پیغمبر خدا
 صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دین کے معاملہ میں پیشوا بنایا ہے۔ اور اپنی زندگی کے آخرین
 دنوں میں نماز میں آپ کو امام مقرر کیا ہے۔ باوجودیکہ ہم اہل بیت۔ اہل مشورہ وہاں موجود تھے
 آپ سے کسی نے نہیں پوچھا۔ ان حالات میں ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ آپ خلافت کے حق دار
 اور لائق ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ اور دوسرے صحابہ نے اعلانِ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔
 اور اجماع منعقد ہوا۔ ان صحابہ نے بیعت کرنے میں اس لیے تاخیر کی۔ کہ یہ ایک بہت بڑا فیصلہ
 تھا۔ اور ان لوگوں کا تامل اجتہاد ہی طور پر بڑا ضروری تھا۔ اور اس میں صحابہ کے اجماع میں نقص
 واقعہ نہیں ہوتا۔

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کا بیعت میں تاخیر کرنا اور بیعت کے وقت شریک نہ ہونا
 اس لیے تھا کہ آپ آنحضرت کی تجہیز و تکفین میں مشغول و مصروف تھے۔ اور حضور کی جدائی کی وجہ
 سے خلوت گزین رہے۔ اور قرآن پاک جمع کرنے میں مصروف تھے۔ اس طرح چھ ماہ گزر گئے
 مگر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے بیعت کر لی۔

ہم مندرجہ بالا رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے دوسرے
 دن ہی بیعت کر لی۔ اور ہمیشہ صدیق اکبر کے مطیع اور مشیر رہے۔ نماز جمعہ۔ عیدیں اور دوسری
 فرض جماعتوں میں آپ کی اقتداء کرتے رہے۔

غزوہ بنی حنیفہ میں (جس میں مسلمانوں کو کذاب قتل ہوا تھا) آپ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
 عنہ کے ہمراہ تھے۔ اور اس غزوہ میں سے مال غنیمت میں سے ایک لونڈری لی۔ جس سے محمد
 حنیفہ رضی اللہ عنہ پیا ہوئے۔ اگر وہ اس غزوہ میں امام برحق کے ہمراہ نہ ہوتے تو مال غنیمت
 سے حصہ نہ لیتے۔ اور کوئی عقلمند اس بات کی تاہید نہیں کر سکتا کہ علی المرتضیٰ جو شیر خدا تھے
 امام اولیاء تھے۔ دائرہ حق کے مرکز تھے۔ قرآن کے فیصلہ سے سرمو تاجا و زکرتے۔

الْقُرْآنُ مَعَ عَلِيٍّ وَعَلِيٌّ مَعَ الْقُرْآنِ

قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہیں۔

ایک مدت دراز تک نمازیں۔ عبادات اور بدنی و مالی خدمات اس کے لیے کرتے رہے۔

جو حق پر نہ تھا۔ اگر حضرت جانتے تھے کہ حق ان کی جانب ہے اور حضور نے بھی انہی کی خلافت کا فیصلہ قطعی فرمایا تھا اور ان حالات میں حق طلب نہ کریں اور خاموشی اختیار کیے رہیں اور معاذ اللہ تمام عمراہل ہو اور باطل کے اختیار میں پڑے رہیں آخر حضرت معاویہ سے جنہوں نے آپ کے ساتھ ناحق جھگڑا کیا تھا۔ کیونکہ مقابلہ کیا۔ اور کس محبت سے اپنا حق منوانے کو نکل آئے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود فرماتے ہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے نفس انسان کو پیدا کیا اور دانہ اگایا۔ اگر پیغمبر خدا نے مجھے حکم دیا ہوتا یا وعدہ کیا ہوتا تو ابی قحافہ (حضرت ابو بکر صدیق) کے فرزند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے زیرین پایہ پر قدم نہ رکھنے دیتا۔ لیکن جب میرے سامنے میرے رتبہ و کمال کے ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر کو امام بنایا۔ اور اپنے صحابہ سمیت ان کی اقتدا میں نماز ادا کی اور میں نے ان تمام واقعات کو دیکھتے ہوئے بھی کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا۔ جب حضور نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دین کے معاملات میں بیتر جانا تو میں انہیں دنیا کے معاملات میں بھی بہتر جانتا ہوں۔

شیعہ حضرات کہتے ہیں۔ کہ علی المرتضیٰ نے یہ سارے کام تقیہ سے کیے تھے۔ انہیں دشمنوں کا خوف اور اپنی جان کا ڈر تھا۔ مگر حقیقت حال پر غور کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تقیہ سراسر عیب اور نقصان ہے۔ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ حق کو چھوڑ کر کیسے سکوت کر سکتے ہیں۔ وہ دشمنوں سے ڈر گئے! یہ ناممکن ہے۔ اس کمال یقین کے باوجود کہ آپ نے فرمایا لو کشف الغطاء ما ازدت یقیناً۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سننے کے باوجود کہ میرے بعد تو ہی میرا خلیفہ ہے۔ اور دین کے احکام جاری کرنے کے تم ہی متکفل ہو۔ اور اس کام کو تم ہی کرو گے۔ دوسرے آدمیوں کے لیے ڈر۔ اور طلب خلافت کو قتل پر معمول کر بیٹھے یہ بات سراسر الزام ہے۔ دوسری بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے۔ کہ تقیہ کی ضرورت اس شخص کو ہوا کرتی ہے جو کمزور اور مغلوب ہو۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ حضرت امیر المومنین ایسے شجاع اور طاقتور انسان۔ خدا پر توکل کرنے والے۔ حضرت فاطمہ زہرا

کے شوہر حضرت امام حسن و حسین کے باپ۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے برادر زاد اور
حضرت زبیر جیسے بھوپھی زاد بھائی۔ اور پھر تمام نبی ہاشم کے معتمد علیہ بزول اور کمزور کس طرح
گردانے جاسکتے ہیں۔

توقف کی مدت میں ایک دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے
کہا کہ آپ اپنا ہاتھ مجھے دیں۔ تاکہ میں بیعت کر سکوں۔ اور دنیا جان لے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے چچا نے حضور کے عم زاد کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ اور پھر کسی کو مجال مخالفت نہ رہے
ابن سفیان (اموی) نے کہا کہ اے عبدمناف کے بیٹو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ قریش میرے
کم درجہ والے قبیلہ (بنی تیم) کے آدمی پر راضی ہو گئے ہو۔ اور پھر ابن سفیان نے کہا۔ کہ
اگر تم خلافت کے لیے اٹھو تو میں اتنے سوار اور پیادے جمع کر سکتا ہوں کہ ایک جنگل بھر جائے
اور ان کا بھیجا نکال لوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں منع فرمایا۔ اور متنبہ کیا کہ تم اہل اسلام
میں دشمنی پھیلانا چاہتے ہو۔

ان روایات کی روشنی میں ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تقیہ سے
کام لیا تھا۔ شیعہ حضرات تو پیغمبران خدا کو بھی تقیہ کی زد میں لے آئے ہیں۔ اور یہاں تک کہ
جاتے ہیں کہ انبیاء کرام کے لیے خوف کے مقام پر کفر کا اظہار کر دینا بھی جائز ہے۔ پھر ان کی
منطق بیان تک پہنچتی ہے کہ نبی علیہ السلام نے دل میں تو حضرت علی کو ہی امامت کے لیے کہا تھا
مگر خوف اور تقیہ سے اس کا اظہار نہ کر سکے۔ جب یہ لوگ اس قسم کے احتمالات کو حضور کی
ذات سے منسوب کرنے سے گریز نہیں کرتے تو دوسروں کے معاملات میں کیا کچھ نہیں کہیں گے۔

افبھما اللہ ما اجهلھما و افسد اعتقادھما

اگر انبیاء علیہم السلام بھی حق کو چھپانے لگے اور پھر اظہار حق کہاں سے ہوگا۔ نوح علیہ السلام
کی قوم سے زیادہ نافرمان قوم اور تکبر قوم اور کون ہو سکتی ہے۔ فرعون اور نمرود سے بڑھ کر کون
ظالم اور جابر ہو سکتا ہے۔ مگر حضرات نوح موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام نے حق گوئی سے کبھی
پہلو ہی نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے سارے صحابہ نے حضرت صدیق رضی اللہ
عنہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور جس چیز پر سارے صحابہ۔ علماء مجتہدین کا اجماع ہو وہ

برحق ہوتی ہے۔ کیونکہ علیحدہ علیحدہ اجتہاد میں تو غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

مگر اجتماعی اتفاق رائے میں کبھی غلطی نہیں ہو کرتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا

اے امت محمدیہ تمہیں معتدل امت بنایا

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

تاکہ تم اور وہیں پر گواہی دے سکو۔

جو مسلمانوں کے اجتماعی راستہ سے روگردانی

کر لیا گیا ہے۔ اسی راہ پر پھینک دیں گے جو اس

نے اختیار کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لن يجتمع ائمتی علی الضلالة

میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہوگی۔

جس چیز پر سب نے اجماع کر لیا وہ حق پر ہے۔ اگر بعض صحابہ نے عہد ابیعت سے انکار

کیا تھا تو وہ خطا پر تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم نافرمان تھے اور وہ حق کو چھپاتے

رہے۔ ایسی باتوں کا اثر ساری امت پر رونما ہوتا ہے۔ اور شریعت کا استحکام ختم ہو جاتا ہے

کیونکہ قرآنی احکام۔ احادیث رسول کی اتباع اور احکام شریعت تو صحابہ کرام کے ذریعہ سے

نافذ ہوتے رہے۔ جب یہ لوگ ہی معاذ اللہ ظالم۔ فاسق اور حق کو چھپاتے رہے تو پھر اس

سے بڑھ کر خرابی اور کیا ہو سکتی ہے۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی ایک تصنیف میں کیا عمدہ بات کہی ہے۔ اور قرآن پاک

کی اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَا يَطْمَئِنُّكُمْ سُلَيْمٰنٌ وَجُنُودُهُ

چيونٹے نے اپنے گروہ کو کہا۔ مبادا تمہیں

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ

شکر سلیمان کچل ڈالے اور وہ بے خبر ہوں۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا چیونٹا

رافضی سے زیادہ عقلمند تھا۔ کیونکہ اس نے اپنے ساتھی چیونٹیوں کو کہا کہ اپنے گھروں میں گھس

جاؤ۔ سلیمان کا لشکر نادانستہ تمہیں پامال کر دے گا۔ چیونٹے نے یہ نہیں کہا۔ حضرت سلیمان کے

لشکر کی جو آپ کے اصحاب تھے۔ جان بوجھ کر پامال کر دیں گے۔ اور تم پر ظلم کریں گے۔ بلکہ لايشعرون

کہا۔ کہ نادانستہ پامالی عمل میں آئے گی۔ رافضی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت طور پر حضرت علی کا حق برباد کیا تھا۔ اور اہل بیت پر ظلم کیا تھا۔ یہ اتنا بھی نہیں کہ پیغمبر خدا کے صحابہ کا ظلم پر اجماع نہیں ہو سکتا۔

دین کے سارے معاملات صحابہ کرام کے ہاتھ میں تھے۔ احادیث رسول اللہ کا اظہار انہی کے سپرد تھا۔ ان سب حضرات کے اجماع سے بڑھ کر اور کون سی حجت ہو سکتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سب احکام میں حضرت ابو بکر صدیق کی اطاعت و فرمانبرداری خلافت صدیق اکبر کی حقانیت کی یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ یابین فضل و کمال حضرت ممدوح کی اطاعت میں مصروف رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ پہلے تینوں خلفاء کا دور خلافت بڑے انتظام سے گزرا اور کسی گوشہ سے اختلاف و مخالفت نہیں اٹھی۔ مگر کے دور خلافت میں ہر طرف انتشار اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا ان کے دور خلافت میں ہم ان کے معاون تھے۔ اور ہمارے دور خلافت کے معاون تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل سلیم اجماع امت اور اتفاق صحابہ پر یقین کرنے پر مجبور ہے۔ صحابہ کرام کو راست کر دار تسلیم کرنا ہی ایمان کی علامت ہے۔ یہ بات کتنی غیر مناسب ہے کہ وہ نبی جو آخر الزمان ہے۔ تمام انسانوں اور جنات کو پیغام خداوندی پہچانے میں وقف کر دی۔ ان کی امت کے صرف چند صحابہ نور راہ راست پر رہے۔ باقی کے سوا صحابہ اور دوست جو ہمیشہ آپ کی صحبت فیض میں رہے۔ اور کمالات و فضائل سے کرتے رہے۔ سب گمراہی پر جا پہنچے (معاذ اللہ) اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کا اثر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر بھی پڑتا ہے۔

اندریں حالات یہ بات ہمیں یقینی طور پر تسلیم کرنا ہوگی۔ کہ سیدنا صدیق اکبر کی صحیح اور درست ہے۔ شیعوں کا فرقہ زید یہ (جو شیعوں کا اعتدالی فرقہ مانا جاتا ہے) ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حق ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت میں مصلحت تھی۔ کیونکہ حضرت علی کی تلوار ابھی تک دشمنوں

ن سے تر تھی۔ اور لوگ ابھی تک آپ کے دشمن تھے۔ اگر انہیں خلافت دی جاتی تو بڑا
 ہوتا۔ جس سے اسلام کی بنیادیں ہل جاتیں۔ اور اسلامی سلطنت تباہ ہو جاتی چنانچہ
 نرت ابو بکر صدیق کی وجہ سے سارے، شعلے ختم ہو گئے۔ یہ مذہب (زیدیہ) حضرت
 کی فضیلت پر اعتقاد رکھتا ہے۔ اور افضل و اکمل کو خلیفہ بنانا ضروری جانتا ہے۔
 علمائے اہل سنت نے ان دونوں باتوں پر تنقید کی ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ
 نفا ضروری ہے کہ وہ قریش میں سے ہو۔ حلال و حرام میں امتیاز کرے۔ دین اسلام کی
 مملکتوں اور امور سلطنت کے چلانے کی اہلیت رکھتا ہو خلافت کے لیے پریزگاری،
 الت شہامت و کفایت ضروری اوصاف ہیں۔ یہ سارے اوصاف صدیق اکبر
 اللہ عنہ میں موجود تھے آثار و احادیث میں فضائل سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کی اس
 یت کی گواہ ہیں۔

بعض علمائے کرام نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نص قرآنی سے ثابت
 ہے۔ اور کہتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خلافت کے لیے تاکید کی
 ہے مگر اہل تحقیق کے نزدیک حضرت صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کے لیے بھی نص
 ہی نہیں ہے۔ اگرچہ شیعہ سنی دونوں ہی اپنے اپنے دلائل میں نصوص قرآن کو پیش کرتے
 رہتے ہیں۔ اور اپنے مخالف کی نصوص کے جوابات بھی دیے ہیں۔ کیونکہ اگر حضرت علی رضی
 اللہ عنہ کے حق میں نص ہوتی۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع امت نہ ہوتا
 ہر نص کے سامنے کسی کی مجال نہ تھی کہ خلاف رائے کا اظہار کرتا۔ اور اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ
 عنہ کے حق میں نص ہوتی تو مہاجر و انصار کی رائے میں قطعاً اختلاف نہ ہوتا اور مینا امیر و منکم
 میر کی تکرار نہ ہوتی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ قبیل و قال محض تحقیق و جستجو کے لیے تھی۔ اور نص تمام
 صحابہ پر واضح نہیں تھی۔ اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت علی
 بر دوسرے صحابہ کو کہا تھا کہ تم لوگ مختار ہو۔ جس کے ہاتھ پر فیصلہ کرو بیعت کر لیں۔ اگر ایک
 یر نص سے فیصلہ شدہ تھی تو پھر اختیار کی بات کی گنجائش نہیں تھی۔

حقیقت میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ

بن جراح دجنین نبی علیہ السلام نے امین امت کا خطاب دیا تھا، کا ہاتھ پکڑ کر انصار سے کہا۔ کہ امامت قریش کا حق ہے۔ قریش کے ہوتے دوسروں کو دعویٰ امامت نہیں ہو سکتا۔ آپ لوگ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں۔ اگر اس بات پر نص ہوتی تو آپ ایسا کبھی نہ کہتے۔ حق بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ کرام کے اجماع اور اجتہاد سے ہوئی۔ اور اجماع یقینی تھا علم اصول فقہ میں ہے۔ ظنی نص غیر قطعی اجماع کے لیے کافی سند ہے۔

دونوں طرف کے لوگوں نے دلائل میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جو اس مختصر سے سالہ میں نہیں سما سکتیں۔ اور ان دلائل کو ترک کرتے ہوئے کسی اور کتاب میں تفصیلی بحث کروں گا۔ حضرت ابو بکر کی خلافت چونکہ اجماع سے ثابت ہے۔ ان کی اطاعت سب مسلمانوں پر فرض تھی۔ انہوں نے اپنی رحلت کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا۔ اور ان کے نام عہد نامہ لکھ دیا۔ جس میں تمام مسلمانوں کو ان کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام نے حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے۔ اور علی الاعلان کہا کہ **بَايَعْنَا مَنْ فِيهِ وَانْ كَانَ عُدَسًا**۔ چنانچہ خلافت عمر بھی اجماع سے ثابت ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت کے وقت خلافت کے مسئلہ کو ان چھ صحابہ کبار پر چھوڑ دیا۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ان چھ حضرات نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کی رائے کو اپنا حکم ماننے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ ہم سب میں سے جسے کہہ دیں گے، اسے خلیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا۔ جسے تمام صحابہ اور حضرت علیؑ نے فوری طور پر تسلیم کر لیا۔ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے احکام کی اتباع کا اعلان کر دیا۔ اور دین و دنیا کے تمام کاموں میں انہیں اپنا امیر مانتے رہے۔

اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی اجماع امت سے ہوئی۔ ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے سارے صحابہ سے افضل و اکمل تھے۔ انہیں باجماع صحابہ خلیفہ برحق اور امام مطلق مقرر کیا گیا۔ آپ کے دور خلافت میں جو فسادات یا جھگڑے ہوئے اور آپ کے استحقاق خلافت پر نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایک اجتہادی غلطی تھی۔

جس میں حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی سزا میں جلدی کا مطالبہ تھا۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ ان خلفاء کی افضلیت انکی خلافت کی ترتیب سے شمار کی جائے۔

یعنی سب صحابہ سے افضل ترین سیدنا صدیق اکبر۔ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ الکریم اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضلیت ثواب کی زیادتی کے پیش نظر ہوتی ہے۔

علماء کرام نے اس مسئلہ کی یوں وضاحت کی ہے۔ کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں دوسرے سے افضل ہے۔ تو اس سے افضل انسان کی زیادتی اور رجحان دوسرے پر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

یہ افضلیت یا تو ہر صفت میں جدا جدا ہوگی یا مجموعی اعتبار سے افضلیت قائم کی جائے گی صورت اول میں ہو سکتا ہے۔ کہ افضل انسان میں ایک ایسی صفت نہ ہو جو دوسرے میں

بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ افضلیت کسی خاص وجہ کے پیش نظر ہو

یہ مسئلہ بھی وجہ اختلاف بن سکتا ہے۔ مثلاً علم کی زیادتی۔ نسب کی برتری۔ ملکات نفسانیہ کی

قوت شجاعت۔ سخاوت اور شہامت وغیرہ۔ اور اللہ کے نزدیک ان چیزوں کا ثواب مخصوص

نہیں ہے۔ بلکہ ثواب کے ذرائع تو سیرت اور کردار ہیں جن سے اسلام یا عوام کو زیادہ

سے زیادہ فائدہ پہنچے جس طرح ایمان لانے سے سبقت۔ دین کی خدمات اسلام کی تقویت

میں جدوجہد۔ مسلمانوں کی امداد نیکیوں کی کثرت اور مخلوق خدا کی ہدایت۔ کفار سے قطع تعلق

بے دنیوں پر سختی وغیرہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے خدا کے نزدیک ثواب ہوتا ہے۔ یہ

صفتیں مجموعی اعتبار سے حضرت صدیق اکبرؓ میں زیادہ پائی جاتی تھیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ

ہے کہ جس دن سے آپ ایمان لائے۔ اسلام کی دعوت و نصرت دین کے لیے وقف ہو گئے

عثمان۔ طلحہ نہ پیر۔ سعد بن ابی وقاص۔ عبدالرحمن بن عوف۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم

جلیل القدر صحابہ ہیں مگر یہ سارے آپ کی وساطت سے اسلام لائے۔ آپ ہمیشہ اسلام

کی سر بلندی اور کفار کے جھگڑوں کے خاتمہ میں لگے رہے۔ نبی علیہ السلام کی حیات مبارکہ

میں بھی اور بعد میں بھی۔

صحیح بخاری میں ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرتؐ کی رسالت کے آغاز سے ہی جب

شعائر اسلام کو ہر ملا کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اپنے دروازہ پر مسجد بنائی۔ اس میں نماز جاری کی

قرآن پڑھا جانے لگا۔ لڑکے اور عورتیں وہاں آئیں اور قرآن سنتیں۔

جمہور اہلسنت کا مذہب تو اسی ترتیب (یعنی ترتیب خلافت) پر ہے۔ امام مالک اور بعض متقدمین اہل سنت نے حضرت عثمان اور حضرت علی کے بارے میں توقف سے کام لیا ہے حضرت امام مالک سے جب دریافت کیا گیا کہ ساری امت میں افضل کون ہے۔ تو آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ جب حضرت عثمان اور حضرت علی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے دین کے پیشواؤں سے بارہا پوچھا۔ مگر ایسا کوئی نہ ملا۔ جو ایک کو دوسرے پر افضل قرار دیتا ہو۔ امام الحارثین کا مسلک بھی ان دونوں کے بارے میں توقف ہے انہوں نے ابو بکر بن خزمیہ کی روایت سے حضرت علی کو حضرت عثمان غنی سے افضل قرار دیا ہے جو اہل الاصول میں لکھا ہے۔ کہ اہل کوفہ کے علماء بھی حضرت علی کو حضرت عثمان پر افضلیت دیتے ہیں۔ ابن خزمیہ نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے۔ شیخ بن عمر بن صلاح کے مقدمہ میں بھی اہل کوفہ کے مذہب کو حضرت علی کی فضیلت پر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ بھی اسی نظریہ پر پابند تھے۔ علمائے حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن خزمیہ نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم خیال کیا ہے۔

امام محی الدین نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہل سنت حضرت علی پر حضرت عثمان کی افضلیت کے قائل نہیں تھے۔ مگر صحیح اور مشہور قول یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ سے مقدم تھے۔ امام نووی نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ سب اصحاب سے افضل تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اور اس فیصلہ پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے۔ خطابی جو کوفہ کے علمائے اہل سنت میں سے تھے۔ حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم لکھا ہے۔ اور ابو بکر بن خزمیہ کا بھی یہی خیال ہے۔ حضرت قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر مقدم جانا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ انہی بزرگوں میں سے تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ نے آخر عمر میں اپنے اس نظریہ سے رجوع کر لیا تھا۔

بیہقی نے اپنی کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو ثور کی شاخصی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت

ہے کہ کسی نے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف نہیں کیا۔ سب کے نزدیک حضرت ابو بکر حضرت عمر سے افضلیت اور تقدیم رکھتے ہیں۔ اختلاف تو صرف حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے معاملہ میں پایا جاتا ہے۔ الغرض علمائے اہلسنت کا یہ نظریہ ہے۔ کہ تمام صحابہ پر حضرت ابو بکر اور عمر کو افضلیت حاصل ہے۔ لیکن فقہاء اور محدثین نے قصدیہ امالیہ کی شرح میں نقل کیا ہے۔ کہ چاروں بزرگوں کی افضلیت اہل بیت کے بعد آتی ہے۔ ابن عبد البر جو علمائے حدیث میں سے مشہور ہیں۔ اپنی کتاب استیعاب میں بیان کیا ہے کہ بعض متقدمین نے حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے۔ سلمان و ابو ذر۔ مقداد۔ نجاب۔ جابر۔ ابو سعید خدری۔ زید بن راقم رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے۔ لیکن ابو طالب کے خوف سے انہوں نے چھپا لیا۔ چنانچہ صحابہ کی یہ جماعت حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکرؓ پر فضیلت دیتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ابن عبد البر کا کلام مقبول اور معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شاذ روایت ہے۔ جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جمہور ائمہ نے اجماع پر فیصلہ کیا ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کی تفصیل میں اور روایات بھی ملتی ہیں خطابی نے بعض مشائخ کے حوالہ سے ان روایتوں کو جمع کیا ہے کہ ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابو بکرؓ۔

امام تاج الدین السبکی جو علمائے شافعی میں بڑے معتبر مانے جاتے ہیں۔ حضرات حسنین کو فضیلت دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ سید المرسلین کے گوشہ جگر تھے۔ شیخ جلال الدین سیوطی نے کتاب خصائص اور امام علم الدین عراقی نے نقل کیا ہے۔ حضرت فاطمہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہما چاروں خلفاء سے افضل تھے۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جگر گوشہ رسول سے کسی کو افضلیت نہیں دے سکتا۔ یہ ساری روایتیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں ہمارے موضوع کے خلاف نہیں جاتیں اور نہ ہی ہمارے مدعا کے مخالف ہیں۔ کیونکہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ خاص قسم کی افضلیت وہ عام حالات میں کسی کی افضلیت کے معافی نہیں ہوتی۔ فضائل ذات اور چیز ہے اور کثرت ثواب اور نفع اسلام سے افضلیت حاصل کرنے کا اور مقام ہے۔ شرف النسب کے اعتبار سے سید کو نبی کی اولاد پاک آپ کے گوشہ جگر ہیں۔ وہ جگر پارے ہیں۔

جو غیر شان ان میں پایا جاتا ہے۔ شیخین میں نہیں اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا لیکن اس شرف النسب کے باوجود شیخین کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

ابو بکر بن خزیمہ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دی ہے۔ اور خواہر الاصول میں لکھا ہے کہ اہل کوفہ بھی حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن خزیمہ نے یہ مسلک اختیار کیا۔ شیخ بن عمر بن صلاح کے مقدمہ میں بھی یہی تحریر ہے کہ کوفہ والے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل جانتے تھے، رضی اللہ عنہما۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ علمائے حدیث میں سے محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر تقدیم دی ہے۔

امام فخر الدین نووی نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ کوفہ کے بعض اہلسنت حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؓ پر فوقیت نہیں دیتے۔ مگر صحیح اور مشہور یہی ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر مقدم ہیں امام نوویؒ نے اصول حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ مطلقاً سب صحابہ سے افضل ہیں۔ اس کے بعد سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات پر ساری امت کا اجتماع ہے، خطاب نے جو کوفہ کے علمائے اہلسنت میں سے تھے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر مقدم لکھا ہے۔ اور ابو بکر بن خزیمہ بھی اسی طرف مائل ہیں۔ قسطلانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض متقدمین نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر مقدم خیال کیا ہے۔ اگرچہ حضرت سفیان ثوریؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ مگر بعض علما کا کہنا ہے کہ آپ نے آخر عمر میں اس نظریہ سے رجوع کر لیا تھا۔

بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ ابو ثور نے حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے ایک شخص بھی حضرت ابو بکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کی فضیلت میں اختلاف نہیں کرتا۔ اگر اختلاف ہے تو وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی فضیلت میں رہا ہے۔ مشائخ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سب پر مقدم ہیں اور اور اس فیصلہ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔

مگر بعض فقہا محدثین نے شرح قصیدہ االیہ میں لکھا ہے کہ خلفائے اربعہ کی فضیلت اہل سنت کے بعد آتی ہے۔ ابن عبدالبر جو علمائے حدیث میں مشہور ہیں۔ نے کہا ہے کہ متقدمین نے

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت اور فضیلت میں اختلاف کیا ہے۔ سلمان، ابو ذر، مقداد،
 جناب جابرؓ ابو سعید خدری اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے
 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ مگر حضرت ابو طالب کے ڈر سے خاموش رہے۔
 یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔

بعض علمائے کرام نے ابن عبد البر کے اس قول کو مقبول اور معتبر نہیں مانا کیونکہ یہ ایک شاذ
 روایت ہے جو جمہور کے قول کے بالکل خلاف ہے۔ ائمہ جمہور اس ضمن میں اجماعی طور پر نقل کرتے
 ہیں کہ حضرت صدیق اکبر افضل تھے۔ صحابہ کرام کی وہ جماعت جنہوں نے حضرت علیؓ کی فضیلت میں
 لکھا ہے ان کا فیصلہ یہ ہے کہ ابو بکر خیر من علیؓ و علیؓ افضل من ابی بکر۔

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو شافعیہ کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں، طبقات
 کبریٰ میں بعض متاخرین کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حسنین کی تفصیل کے قائل تھے حضور علیہ
 السلام کے جگر کے ٹکڑے تھے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نھالہ میں امام علیم الدین عراقی کے حوالے
 سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ اور ان کے بھائی حضرت ابراہیم علیہما السلام با اتفاق رائے چاروں
 صحابہ سے افضل ہیں۔ حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ ما افضل علی بضعۃ النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم احداً۔ حضور علیہ السلام کے گوشہ جگر سے کوئی افضل نہیں ہے۔ اس فضیلت سے
 مراد یہ ہے کہ دوسرے اہل بیت سے افضل ہیں۔ ورنہ فضیلت خلافت و ثواب سے اس کا
 کوئی تعلق نہیں ہے۔

افضیلت کے وجوہ خاص ہوتے ہیں۔ ایک وجہ کی افضیلت دوسری وجہ کی افضیلت کے
 منافی نہیں ہوا کرتی جن فضائل کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ کثرتِ ثواب اور نفعِ اہل اسلام کی بنا
 پر نہیں ہے، بلکہ نسب و شرف و کرامت کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اس بات میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا
 کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کو نسب و شرف اور قدر حاصل نہیں ہے۔ اور یہ شرف و قدر شیخین کے ہاں
 نہیں پائی جاتی، اور کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ باوجودیکہ شیخین سے اہل اسلام کو
 بہت فائدہ پہنچا۔ خطباتی نے بعض مشائخ کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خیر اور افضیلت

دو مختلف چیزیں ہیں۔ جس قول کو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق خیریت اور حضرت علی افضلیت کے مراتب پر ہیں، ہمارے قول کے منافی نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں وجوہات ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ اگر ان لوگوں کی مراد کچھ اور ہے تو وہ صاف صاف بیان کریں تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔

بہر حال علمائے متقدمین نے افضلیت اور خلافت کے موضوع کو قطعی اور ظنی دلائل سے مختلف انداز سے بیان کیا ہے۔ بعض نے ترتیب خلافت کو افضلیت پر محمول کیا ہے۔ بعض نے ثواب و فضائل کو افضلیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ مگر صواعق محررقہ کے فاضل مصنف نے فیصلہ دیا ہے کہ ہم اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ ترتیب خلافت سے افضلیت کا مسئلہ ظنی ہے لیکن شیعوں پر لازم آتا ہے کہ وہ حضرت علی کے قطعی فیصلہ کے پیش نظر اس مسئلہ کو قطعی جانیں۔ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت کو جزم و یقین سے تسلیم کر لیں۔ کیونکہ یہ لوگ حضرت علی اور دیگر ائمہ کی عصمت کے معتقد ہیں۔ اور معصوم کا حکم سب کے لیے قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ معصوم جھوٹ بھی نہیں کہتا۔ اور یہ بات صحیح روایات سے ثابت اور تواتر سے نقل ہوتی چلی آئی ہے کہ حضرت علی اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے رفقاء (شیعوں) کے سامنے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف اور توصیف کے ساتھ ساتھ ان کی افضلیت کو برملا اور علانیہ بیان کرتے رہے ہیں۔

ذہبی نے ۸۰ سے زیادہ حضرات سے صحیح سندوں کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ اور صحیح بخاری کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ:

خیر الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر ثم عمر ثم رجل آخر۔
آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا: "ثُمَّ أَنْتَ" تو آپ نے فرمایا میں ایک عام مسلمان ہوں۔ یہ حدیث متعدد واسطوں سے صحیح مانی گئی ہے۔

بعض روایتوں میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھے پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ مجھے شیخین پر فضیلت دیتے ہیں۔ یہ لوگ مفتری ہیں۔ اگر وہ مجھے ملے تو میں انہیں افترا کی سزا دوں گا۔"
حضرت امام مالک نے امام جعفر سے اور انہوں نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ حضرت

علی حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ حضرت عمرؓ اس وقت چادر پیٹے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ شخص اللہ کا پیارا اور محبوب ہے۔ وہ اپنے نامہ اعمال سمیت اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔ دارقطنی سے روایت کی ہے کہ ابو جحیفہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری امت سے افضل اعتقاد کرتے تھے۔ ایک جماعت اس بات کے مخالف بھی تھی۔ ان کی مخالفت سے آپ کو سخت رنج ہوا اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ انہیں غمگین دیکھ کر علیحدہ لے گئے۔ ان سے فرمایا "اے اباجحیفہ، اس رنجش کا کیا سبب ہے؟ اس نے اپنا حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا "ابن جحیفہ، سنو! میں تمہیں بتاؤں کہ اس امت کا اس وقت بہترین انسان کون ہے۔ اس امت میں سب سے بہتر حضرت ابو بکرؓ ہیں، اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ میں قسم کھا کر کتنا ہوں کہ یہ حدیث میں نے حضرت علیؓ کی زبان مبارک سے بالمشافہ سنی تھی، اور میں اسے ہرگز چھپا نہیں سکتا۔ حضرت جحیفہ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے سنی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کے ممبر پر فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ ہیں اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اسی قسم کی بہت سی احادیث ہیں جو نواتر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچیں مگر شیعہ حضرات یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ یہ ساری باتیں تقیہ کے طور پر کہی گئی تھیں یعنی حضرات شیخین کی تعریف محض جان کے خوف اور دشمنوں کے ڈر سے کیا کرتے تھے۔ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کی جان کو خطرہ تھا مگر دلی طور پر حضرت علیؓ حضرت شیخین کے خلاف تھے۔

شیعوں کے اس بیان میں قطعاً کوئی صداقت نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت علیؓ جو شیر خدا تھے اور مرکز دائرہ حق تھے، اتنے ذلیل، مغلوب اور عاجز ہو گئے تھے کہ وہ حق بیان کرنے سے قاصر رہے، اور ساری زندگی خوف و عجز میں گزار دی۔ پھر اسد اللہ الغالب کا لقب کیا معنی رکھتا ہے۔ لَا يَخْافُونَ كَوْمَةَ لَاحِظٍ کے منظر ہوں اور علی مع القرآن وقرآن مع علی ان کی تعریف میں آئے تو خوف و عجز اور حق پوشی کی کیا ضرورت درپیش ہوئی؟

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت علیؓ پر اہل سنت نے اتفاق نہ کیا اور اکثر لوگ آپ سے متفق نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

حق گوئی کے معاملہ میں بڑے بے باک تھے۔ وہ حق گوئی میں کسی کی رورعایت نہیں کیا کرتے تھے اور کسی سے ملامت اور بات نہیں رکھتے تھے۔ حضرت شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ زاہد تھے، اور دنیا داروں سے بہت کم ملتے۔ عالم تھے، اور عالم دوسروں کی خوشامد نہیں کیا کرتا۔ وہ بہادر اور شجاع تھے اور بہادر کسی سے ڈر نہیں کرنا۔ وہ شریف تھے اور شریف کسی کی پڑا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ سے متنفر رہتے، اور آپ بھی لوگوں سے نفرت کرتے۔

ایسے شخص سے تقیہ کی توقع رکھنا ناممکن ہے۔ شیخین کے زمانہ خلافت میں ظاہر اقیہ ہوتا تو ممکن تھا۔ مگر اپنی خلافت اور اقتدار کے زمانہ میں خلوت اور خاص اجاب میں بھی اس قسم کے بیانات کیونکر تقیہ پر محمول کیے جاسکتے ہیں؟ امام محمد باقر اور آپ کے آباؤ اولاد سے اس قسم کے سوالات ہوتے رہے کہ آپ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ سب نے ہمیشہ ہی کہا کہ ہم انہیں نہایت دوست رکھتے ہیں۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ ایسی باتیں تقیہ کے طور پر کہتے ہیں، اور آپ کے دل میں اس کے خلاف باتیں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا خوف زندوں سے ہوا کرتا ہے۔ مردوں سے نہیں ہوتا۔ امام باقر رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان کو سب برا کہتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کا ایک کامیاب بادشاہ تھا۔ اگر ہم تقیہ کرتے تو اسے بھی اچھا کہتے۔

حضرت امام باقر کے ان خیالات کی روشنی میں ہم کیسے یقین کر لیں کہ حضرت علی تقیہ کرتے تھے۔ جو بڑے بہادر، شجاع اور عادل تھے۔ وہ میدان جنگ میں سب پر چھائے رہتے تھے۔ اگر انہیں خوف دامنگیر ہوتا تو وہ حضرت امیر معاویہ اور بنی مروان سے کبھی نہ لڑتے۔ حالانکہ یہ لوگ بڑے طاقتور تھے۔ وہ باغیوں سے لڑے۔ خارجیوں سے مقابلہ کرتے رہے۔ اور ان لڑائیوں میں تائب و حق سے جنگ و جدال سے کبھی نہیں ڈرے۔ وہ ہمیشہ اعتدال پر رہے۔ جو نبی انہوں نے دین کے معاملات میں سستی دیکھی وہ اس کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ اور انہوں نے دین کے معاملات میں اپنے دوستوں کو بھی جو افراط و تفریط کا شکار تھے معاف نہیں کیا اور انہیں باہر نکال دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن سبا کو مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا، اور حکم دیا کہ جس شہر میں ہم ہوں ابن سبا نہ

ابن سبا اصل میں یہودی تھا۔ جو ظاہری طور پر آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ لیکن دلی طور پر منافق تھا۔ وہ رافضیوں کا پیشوا بنا، اور اس مذہب کا موجد بنا، تاکہ صحابہ کرام کو برا بھلا کہا جائے۔ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کا کلام لگانے لگا۔ آپ نے اس کی ایسی ہی باتیں سن کر اسے جلا وطن کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مدح و ثنا میں اتنے خطبے کہے ہیں کہ ان کے مطالعہ کے بعد کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں رہتی۔ اگر علمائے اہل سنت حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی افضلیت پر بلکہ اس افضلیت کی قطعیت پر یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں۔ بعض حق پسند شیعہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ عبدالرزاق جو صاحب علم اور صاحب زوات بزرگ تھے شیخین کی افضلیت اسی لیے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں افضل مانا تھا۔ یہ کتنی نا انصافی ہے کہ حضرت علی کی مدح کرنے والے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ سے گریزاں ہیں۔

مندرجہ بالا اقتباس ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے میں سے تھا۔ ہمیں ان کتابوں پر بھی اسی نقطہ نظر سے نگاہ ڈالنی چاہیے جن میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ تاکہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔

عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم:

چار خلفاء کے بعد عشرہ مبشرہ کی افضلیت آتی ہے۔ عشرہ مبشرہ میں مندرجہ ذیل دس صحابہ کے نام آتے ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی:

ابوبکر فی الجنة و عمر فی الجنة و عثمان فی الجنة و علی فی الجنة و طلحة فی الجنة و الزبیر فی الجنة و عبدالرحمن بن عوف فی الجنة و سعد بن ابی وقاص فی الجنة و سعید بن زید فی الجنة و ابو عبیدہ ابن الجراح فی الجنة۔

یہ دس حضرات تمام امت سے بہتر اور افضل ہیں۔ یہ مہاجرین کے پیشوا تھے حضور صلی اللہ وسلم کے رشتہ دار تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان حضرات کے مراتب اور اسلامی خدمات اس قدر ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں۔ ان بزرگوں کا بہشتی ہونا قطعی ہے لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کے علاوہ دوسرے قطعی بہشتی نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام نے جنت کی بشارت دی ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا، حسن و حسین رضی اللہ عنہما، خدیجہ الکبریٰ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت حمزہ و عباس، سلمان و صیب، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھی جنت کی بشارت ملی تھی۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے ان لوگوں کا ذکر بھی جنتیوں میں کیا ہے۔ عقاید میں ان کا بیان اس لیے آیا ہے کہ یہ لوگ اپنی خدمات کی وجہ سے اسلام میں بڑی شان کے مالک ہیں، مگر بعض ایسے لوگ جن کے دل زنگ آلود ہیں، ان حضرات کی بے ادبی سے نہیں چوکتے اور ان سے بعض رکھتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی پر زور مذمت کی جائے۔

عوام جانتے ہیں کہ ان دس بزرگوں کا قطعی جنتی ہونا بشارت مصطفیٰ سے ثابت ہے مگر ان لوگوں کا یہ گمان غلط ہے اور جہل ہے۔ بعض عربی خواں طالب علم بھی جاہل عوام کے ہم نوا ہو کر یوں کہتے ہیں "اور اوروں کو بھی تو بشارت ہے" وہ یہ نہیں جانتے کہ ان دس حضرات کی بشارت قوت اور شدت میں منواتر ہے۔ یہ لوگ احادیث کی چھان بین سے کورے محض ہیں۔

عشرہ مبشرہ کی قطعی بشارت جنت کی بحث کو ہم نے اپنی کتاب "تحقیق الاشارة فی تعییم البشارة" میں تفصیلی طور پر بیان کر دیا ہے اور احادیث میں جتنے اہل بشارت کے نام آئے ہیں، یا میری نظر سے گزرے ہیں، تمام کا ذکر کیا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ چار خلیفوں، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے بزرگان دین کی بشارت تو اترا معنوی درجہ رکھتی ہے، مگر دس کی بشارت شہرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض کی بشارت احاد کے درجہ تک ہے۔ جن کے لیے مخصوص بشارت نہیں آئی ان کے لیے یوں کہا جائے گا کہ مومن جنتی ہے اور کافر جہنمی۔ مگر قطعی طور پر کس کو جنتی کہا جاسکتا ہے تفصیلی طور پر مذکورہ بالا کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

— اہل بدر:—

عشرہ مبشرہ اہل بدر کو فضیلت حاصل ہے۔ واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے سال میں رونما ہوا تھا۔ اس واقعے سے اسلام کی شہرت کا سکہ دنیا ئے عرب پر بیٹھ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وہ وعدے جو نبی علیہ السلام سے کیے گئے تھے۔ پورے ہو گئے۔ دین اسلام کے بدترین دشمن جو صنادید قریش کہلاتے تھے۔ میدان بدر میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان میں عقبہ۔ شیبہ۔ ابو جہل جیسے لعنتہ اللہ علیہم جو خاص طور قابل ذکر ہیں۔ واصل جہنم ہوئے۔

اس معرکہ میں پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لیے آئے۔ اور باقاعدہ شریک معرکہ رہے عشرہ مبشرہ (جن کا پہلے ذکر آچکا ہے) اس معرکہ بدر میں شریک تھے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شریک جنگ نہ ہو سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیمار پرہی کے لیے مدینہ میں رہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس بیمار پرہی کی وجہ سے اہل بدر میں شمار کیا ہے۔ اور مال غنیمت کے پورے حصہ کا مستحق گردانا ہے۔

اہل بدر کی تعداد تین سو تیرہ۔ یہ سارے کے سارے قطعی جنتی ہیں۔ قرآن کی یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی۔

ان اللہ قد اطلع علی اہل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔
 بے شک جب اہل بدر نے (اپنے کارناموں کا) اللہ تعالیٰ کے سامنے مظاہرہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا۔

لن یدخل اللہ النار جلا شہد یدرا والحدیبیۃ۔
 اس شخص کو ہرگز آگ نہیں چھو سکے گی جو میدان بدر یا میدان حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ جو فرشتے میدان بدر میں شریک تھے۔ ان کی فضیلت دوسرے

فرشتوں سے بہت زیادہ ہے۔

— اہل احد:—

اہل بدر کے بعد غزوہ احد میں شریک ہونے والوں کا رتبہ آتا ہے۔ یہ معرکہ ہجرت کے چوتھے سال رونما ہوا۔ اس معرکہ میں اہل اسلام کو بڑے امتحان اور دشواری سے گزرنا پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک اسی معرکہ میں مجروح ہوئے تھے۔ یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ حضور کا کوئی دانت مبارک پورا ٹوٹ گیا تھا۔ یا بڑے نکل گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے۔ دانت مبارک کا ایک گوشہ مجروح ہوا تھا۔ اور اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا تھا۔

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب شہدائے احد میں سے تھے۔ اس جنگ میں صحابہ کرام میں سے ستر بزرگ شہید ہوئے۔ عشرہ مبشرہ بھی شریک غزوہ احد تھے۔ اس معرکہ میں کفار کا سربراہ ابوسفیان ہوی تھا۔ جن نے جنگ بدر میں شکست کے بعد قسم کھائی تھی۔ کہ جب تک انتقام نہ لے لے گا۔ یہودی سے جماع اور غسل نہیں کرے گا۔ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور معاویہ بن ابی سفیان مشرف باسلام ہوئے۔

— اہل بیعت رضوان:—

بیعت الرضوان اس بیعت کا نام ہے۔ جو مسلمانوں نے صلح حدیبیہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کی تھی۔ قرآن پاک میں آیا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ
إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
اللَّهُ تَعَالَىٰ إِن مَوْمِنِينَ
وَرَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ
وَرَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ
وَرَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ

حدیث پاک میں آیا ہے۔

لَا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْ بَايَعْتِي
تَحْتَ الشَّجَرَةِ
جس نے میرے ہاتھ پر شجر رضوان کے نیچے
بیعت کی۔ وہ آگ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

یہ سارے اصحاب اہل بہشت میں سے ہیں۔ یہ ترتیب فضیلت جو ہم نے بیان کی ہے۔ وہ ابو منصور حنفی سے نقل کی ہے۔ مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درجات و مقامات اور فضائل اعدایت میں پائے جاتے ہیں۔ مگر ان حضرات کی برأت و بخشش تو یقینی طور پر واضح فرمادی گئی۔ صحابہ کرام کے ناموں کی تصریح کتابوں میں نہیں ملتی۔

صحابہ کرام کبھی فضل و کرامت علم و تقویٰ کی بنا پر ہوگی کیونکہ -
 اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
 اَتْقٰىكُمْ -
 تم میں سے مکرم ترین وہ شخص ہے جو تقویٰ میں
 برابر ہو۔

بعض علماء کرام نے اولاد صحابہ کو بھی ان کے آبا و اجداد کی فضیلت پر فضیلت دی ہے۔ مگر یہ
 بات متفق ہے کہ اولاد حضرت فاطمہ الزہراء سب سے افضل ترین ہے۔

— حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا: —

حضرت فاطمہ الزہراء جنّت کی عورتوں کی سیدہ ہیں۔ اور حضرت حسن و حسین جنّت کے
 نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کو علیحدہ تفصیلی طور پر عقائد میں بیان کیا ہے۔ اور ان کی قطعی
 جنتی ہونے پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ حالانکہ بعض بر خود غلط مصنفین بشارت بخشش کی قطعیت محض
 عشرہ مبشرہ تک محدود کرتے ہیں۔ اکثر علماء کرام نے رافضی مصنفین کے علی الرغم عشرہ مبشرہ کا ذکر
 بڑے تخصیص سے کیا ہے۔ مگر ناصبی مصنفین کے علی الرغم ان تین پاک وجودوں کا ذکر اور اہل بیت کے
 فضائل بیان میں بھی مناسبت ہے۔

یہ حدیث فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی فضیلت دنیا کی تمام عورتوں پر ثابت کرتی ہے۔ حتیٰ کہ اہل
 جنّت کی تمام عورتوں مثلاً مریم، بنت عمران اور عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما سے فضیلت دی ہے۔
 علامہ جلال سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔

بعض احادیث میں جہاں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق فضیلت بیان کی گئی ہے۔
 مگر بعض احادیث میں تمام عورتوں سے حضرت مریم علیہ السلام کو افضل بیان کیا گیا۔ ایسی احادیث میں
 حضرت فاطمہ الزہراء کو مستثنیٰ اور دیا گیا ہے۔

— حضرت فاطمہ اور اہل بیت: —

ایک اور مقام پر دنیا کی بہترین عورتوں میں حضرت فاطمہ حضرت خدیجہ حضرت عائشہ حضرت مریم
 حضرت آسیہ رضی اللہ عنہن کو شمار کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں مساوات اور توقف بیان کرنا مقصود
 ہے۔ ایک اور حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وجود امت رسول میں ایسا ہے جیسے حضرت
 مریم کا قوم عیسیٰ میں ہے۔

بعض علماء امت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ الزہراء سے افضل قرار دیتے ہیں ان کی رائے ہے کہ حضرت عائشہ جنت میں رسول خدا کے ساتھ ہوں گی۔ اور حضرت زہرا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ مقام و مکان نبوت حضرت علی کرم اللہ عنہ سے بلند واقع ہے۔ لیکن بعض احادیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں۔ فاطمہ۔ علی۔ حسن اور حسین ایک مکان اور ایک مقام میں ہوں گے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ تھیں۔ اور خلفاء اربعہ کے دور میں آپ باقاعدہ فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ اور اجتہاد فرمایا کرتی تھیں۔ بعض علماء کہتے ہیں حضرت عائشہ حضرت خدیجہ کے بعد افضل النساء ہیں۔ علامہ سیوطی نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ اس مسئلہ میں تین رائے ہیں۔ مگر بہترین رائے یہ ہے کہ فاطمہ الزہرا حضرت عائشہ سے افضل ہیں۔ بعض اہل علم نے دونوں کو مساوی حیثیت دی ہے۔ بعض حضرات اس مسئلہ پر توقف اختیار کرتے ہیں۔ احناف کے اکثر و بیشتر علماء اور بعض حضرات شافعیہ توقف کرتے ہیں۔ حضرت مالک سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا فاطمہ رسول پاک کا جگر پارہ ہیں۔ اور جگر پارہ سے افضل تر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں رسول اللہ کے جگر پارہ پر کسی دوسری شخصیت کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

امام سبکی فرماتے ہیں ہمارے دین اور ہمارے مختار کی رائے ہے حضرت فاطمہ ہی افضل ہیں۔ اس کے بعد آپ کی والدہ حضرت خدیجہ اور اس کے بعد حضرت عائشہ ہیں۔ (رضی اللہ عنہن) حضرت سیوطی فرماتے ہیں کہ حضرات فاطمہ اور مریم افضل ترین عورتیں ہیں۔ اور حضرات عائشہ و خدیجہ افضل ترین ائمتہ ہیں۔ خصائص خیفی میں ہے۔

خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کی فضیلت میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ متقدمین علماء کے ایک طبقہ نے تصریح کی ہے حضرت خدیجہ افضل ہیں۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ دنیا کی عورتوں میں سے افضل و اکمل عورتیں حضرت مریم۔ بنت عمران۔ حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آسیہ زوجہ فرعون ہیں۔ بعض روایتوں میں آسیہ زوجہ فرعون کی بجائے آسیہ بنت فرحیم لکھا ہے۔

شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں فضیلت کے ساتھ تصریح کی گئی ہے کہ فاطمہ الزہرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل تر ہیں۔ فضیلت عائشہ والی حدیث میں فضل عائشہ علی النساء

کفضل الثريد على غيره من الطعام سے دلیل یہ ہے کہ مذکورہ بالا چار عورتوں کے علاوہ دنیا کی تمام عورتوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت ہے۔

اس ضمن میں (مصنف شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کی رائے یہ ہے کہ سچی بات یہ ہے افضیلت کے وجوہ و اسباب مختلف ہیں۔ لیکن احادیث کے مطالعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رسول اکرم صلی اللہ وسلم کو ساری اولاد سے زیادہ پیاری تھیں۔ اور حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے محبوب بیوی تھیں۔ چونکہ فضیلت اور محبت کی وجوہات مختلف ہو کر تئی ہیں اس لیے اس مسئلہ کو سمجھنا دشوار ہو جائے گا۔ بعض احادیث میں آیا ہے۔ عورتوں میں سے محبوب ترین شخصیت حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔ اور محبوب ترین مرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ ایک اور جگہ آیا ہے کہ تمام انسانوں میں محب خاص حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ بعض علماء نے اگرچہ نہایت سخت رائے دی ہے جو نہایت ناز مقامات سے لی گئی ہے۔ کہ حضرت عائشہ ہر غیر سے فاضل ترین ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے حضرت صدیق اکبر سے بھی افضل تھیں۔ اگر ہم فضیلت اور محبت کے تقاضوں کو سامنے نہ رکھیں۔ تو اس مسئلہ میں بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے۔ فضیلت کثرت ثواب سے حاصل ہو کر تئی ہے۔ اور یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہی ہے۔ مگر شرف ذات۔ طہارت۔ سیرت اور پاک طبیعت ہونے کی وجہ سے کوئی شخصیت بھی حضرت فاطمہ حسن و حسین اور دوسرے اہل بیت کے مراتب کو نہیں پہنچ سکتا۔

— خلافت —

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صرف تیس سال تک تھی۔ اس کے بعد ملوکیت و امارت تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

المخلافۃ بعدی ثلاثون سنة
میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی۔ اس
ثم یصیر بعدہا ملحا
کے بعد خلافت نہیں ہوگی۔ نقصان وہ ملوک ہوں
عضو ضا۔
گے۔ جن کے زہر سے بہت کم لوگ سلامت رہ
سکیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ تیس سال کا عرصہ مکمل ہو جاتا ہے۔ تحقیق یہ ہے

کہ ابھی تیس سال میں سے چھ ماہ باقی تھے۔ کہ امام المسلمین حضرت حسن بن علی ابی طالب خلیفہ رہے۔ آپ کی وفات کے ساتھ ہی خلافت کا تیس سالہ دور ختم ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے۔ بلکہ امیر و بادشاہ تھے جو لوگ امرائے عباسیہ کو خلفاء میں شمار کرتے ہیں۔ مجازی اور اصطلاحی معنوں میں لکھتے ہیں۔

احناف کے محقق شیخ کمال بن ہمام مسایرہ میں لکھتے ہیں۔ کہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ بادشاہ تھے۔ اور خلیفہ نہیں تھے۔ اہل سنت کے مشائخ اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ حضرت امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد کسی دوسرے کو امام نہیں مانتے مگر بعض مشائخ نے امامت کو بعد از حضرت علی بھی روا رکھا ہے جو مشائخ امیر معاویہ کو امام تسلیم کرنے کے حق میں ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ حضرت حسن نے جب آپ کو امام تسلیم کر لیا۔ تو ہم بھی انہیں تسلیم کریں گے۔

مسئلہ اہل سنت و جماعت :-

اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو ہمیشہ نیک الفاظ سے یاد کرنا چاہیے۔ بغض سب و شتم، اعتراضات و انکاران کی ذات پر کرنا نامناسب ہے اور ان کے معاملہ میں کسی کی بے ادبی روا نہیں رکھنی چاہیے۔ کیونکہ ان لوگوں کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ محبت نے پاک کر دیا تھا۔ ان کے فضائل، مناقب اور درجات میں اکثر آیات قرآنی اور احادیث نبوی موجود ہیں۔ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ آيَاتُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ رَحِمَاءُ وَيُنَادِيَهُمْ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ - أَصْحَابِي، كَالْتَّجُومِ بِأَيْهِمْ قَتَدَيْتُمْ إِهْتَدَيْتُمْ - أَكْرَمُوا أَصْحَابِي فَإِنَّهُمْ خَيْرُكُمْ - اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لَا تَخْذَوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَحَبَبْنِي وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبْغَضْنِي - مَنْ آذَانَهُمْ فَقَدْ آذَانِي وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَانَ اللَّهِ وَمَنْ آذَانَ اللَّهِ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ -

صحابہ کرام کے بعض اختلافات یا محاربات یا اہل بیت کے حقوق میں کوتاہی اور ان کے آداب میں کمی کی روایت ملتی ہیں۔ ان سے اعراض کرنا ضروری ہے۔ اور نظر انداز کر دینا چاہیے۔ اور گفتہ ناگفتہ اور شنیدہ ناشنیدہ پر عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ حضور علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت اور مجلس یقینی امر

ہے۔ مگر اہل بیت کے ساتھ معاملات محض ظنی ہیں۔ اور یقین کی فضیلت کو چھوڑ کر ظن اور گمان کے اختلافات میں پڑنا درست نہیں۔ ان اختلافی امور میں سے اسلامی حدود کا تعین حضرت معاویہ عمر بن العاص۔ مغیرہ بن شعبہ اور اس قسم کے بزرگوں کے معاملات ہیں جو شخص بھی مشائخ اہل سنت جماعت کے طریق کار پر عمل کرے گا۔ اسے ان معاملات میں بغض طعن سے زبان بند رکھنا پڑے گی۔ اگرچہ بعض معاملات کو اصحاب تاریخ و سیر نے متواتر لکھا ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے معاملات کے مطالعہ سے اگرچہ طبیعت میں کدورت اور دل میں نفرت پیدا ہوئے بغیر چارہ کار نہیں۔ تاہم چشم پوشی اور کف لسان ضروری ہے۔

غزوہ صفین میں ایک شخص کو حضرت معاویہ کی فوجوں سے قید کر کے لایا گیا۔ حاضرین میں سے ایک شخص کو اس پر ترس آگیا۔ وہ کہنے لگا۔ خدا کی قسم! میں اسے جانتا ہوں کہ یہ مسلمان تھا۔ اور بڑا صالح مسلمان تھا۔ افسوس کہ اس کا خاتمہ اس حالت پر ہو رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا کہتے ہو۔ وہ اب بھی مسلمان ہی ہے۔ پھر دلیل قطعی کے ہوتے ہوئے سب و شتم تو سخت ناروا ہے۔ جیسے بعض نادان حضرت عائشہ کی طہارت میں نصوص قرآنی کے باوجود زبان درازی سے کام لیتے ہیں۔

— حضرت معاویہ کا انجام:—

علمائے اہل سنت کا مسلک ہے حضرت معاویہ کے تمام مجادلات حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو خلیفہ برحق اور امام مطلق تھے) کے خلاف بغاوت و خروج پر محمول کیے جائیں۔ حدیث عمار بن یاسر جو تواتر کے ساتھ شہرت رکھتی ہے آیا ہے۔

تقتلك الفئة باغية تدعوهم الى الجنة ويدعونك الى الناس.

اس بات کی دلیل ہے کہ یہ معاملہ موجب کفر اور مستوجب لعنت نہیں تھا۔ سلف صالحین اور

علماء مجتہدین میں سے کسی نے بھی حضرت معاویہ پر لعنت نہیں بھیجی۔

حقیقت یہ ہے۔ علمائے اہل سنت کی عادت ہے کہ وہ لعن طعن سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔

المؤمن ليس يلعان لعنت لو کسی بھی شخص کے لیے زیبا نہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا

معلوم کہ عاقبت کار ایمان و سعادت کی دولت لے کر گیا ہو۔ بلکہ جس شخص کی ہوست یقین سے معلوم

ہو کہ کفر پر ہوئی ہے۔ اسے کافر کہا جا سکتا ہے۔

— یزید کا حشر: —

بعض علمائے اہل سنت تو یزید کے معاملہ میں بھی توقف سے کام لیتے ہیں۔ مگر بعض غلو و افراط کی وجہ سے اس کی شان و منزلت بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ چونکہ وہ مسلمانوں کی اکثریت کی بنا پر امیر مقرر ہوا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ پر ضروری تھا۔ کہ ان کی اطاعت کرتے۔
نعود باللہ من هذا القول ومن هذا الاعتقاد۔

یزید امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے امیر ہو کیسے سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کو اجماع اس پر کس طرح واجب آتا ہے۔ جب کہ اس وقت کے صحابہ کرام اور صحابہ کی اولاد جو بھی موجود تھی اس کی اطاعت سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ مدینہ منورہ سے چند لوگ اس کے پاس شام میں حبرہ کراہ سے پہنچائے گئے تھے۔ مگر یزید کے ناپسندیدہ اعمال کو دیکھ کر واپس مدینہ چلے آئے۔ اور عارضی بیعت کو فتح کر دیا۔ اور ان لوگوں نے برملا کہا کہ وہ خدا کا دشمن ہے۔ شراب نوش ہے۔ تارک الصلوٰۃ ہے۔ زانی ہے۔ فاسق ہے۔ محارم سے صحبت کرنے سے بھی باز نہیں آتا۔

ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس کی رائے ہے۔ کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی وہ شہادت حسین پر رضامند تھا۔ حضرت حسین اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شہادت سے وہ کبھی بھی مسرور و مطمئن نہیں ہوا۔ ہمارے نزدیک یہ رائے مردود اور باطل ہے۔ کیونکہ یزید کی اہل بیت سے عداوت اور اہل بیت کی اہانت و ذلت کے واقعات تو اتر کے ساتھ اس سے سرزد ہوتے رہے۔ ان تمام واقعات سے انکار کرنا ازراہ تکلف ہے۔

ایک طبقہ کی رائے یہ ہے۔ کہ قتل حسین و راصل گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ ناحق مومن کا قتل کرنا گناہ کبیرہ میں آتا ہے۔ کفر میں نہیں آتا۔ مگر لعنت تو کافروں کے لیے مخصوص ہے۔ ایسی رائے کا اظہار کرنے والوں پر افسوس ہے۔ وہ نبی علیہ السلام کے کلام سے بھی بے خبر ہیں۔ کیونکہ حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد سے بغض و عداوت اور انہیں تکلیف و توہین کرنا باعث ایذا و عداوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ حضرات یزید کے متعلق کیا فیصلہ کریں گے۔ کیا اہانت رسول اور عداوت رسول اللہ کفر و لعنت کا سبب نہیں ہے۔ اور یہ بات جہنم کی آگ میں پہنچانے کے لیے کافی نہیں آتی۔

کریمہ ملاحظہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے
وہ یقیناً دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں۔ اور
خدا نے ان کے لیے دردناک عذاب مقرر کیا ہے۔
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ یزید کے خاتمہ کے متعلق کوئی علم نہیں ہو سکتا ہے کہ ارتکاب
کفر و معصیت کے بعد اس نے توبہ کر لی ہو۔ اور آخر کار تائب ہو گیا ہو۔ حضرت امام غزالی نے اپنی کتاب
احیاء العلوم میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ علمائے سلف اور مشاہیر امت میں سے بعض نے جن میں
امام احمد بن حنبل جیسے بزرگ شامل ہیں۔ یزید پر لعنت کی ہے۔ ابن جوزی جو شریعت اور حفظ سنت میں
بڑے متشدد تھے۔ اپنی کتاب میں لعنت بر یزید کو تو علمائے سلف سے نقل کیا ہے بعض علما
کرام نے لعنت کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اور بعض توقف کرتے ہیں۔

ہماری رائے میں یزید مسغوض ترین انسان تھا۔ اس بد بخت نے جو کارہائے بد انجام دیے
ہیں۔ امت رسول میں سے کسی سے نہیں ہو سکے۔ شہادت حسین اور اہانت اہل بیت سے فارغ
ہو کر اس بد بخت نے مدینہ منورہ پر لشکر کشی کی۔ اور اس مقدس شہر کی بے حرمتی کے بعد اہل مدینہ کے
خون سے ہاتھ رنگے۔ اور باقی ماندہ صحابہ رسول اور تابعین اس کی تیغ ستم کی نذر ہو گئے۔ مدینہ منورہ
کی تخریب کے بعد اس نے مکہ معظمہ کی تباہی کا حکم دیا۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی
شہادت کا ذمہ دار ٹھہرا۔ اور انہی حالات میں وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کی توبہ اور رجوع کا
مزید حال تو اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اور دوسرے اہل ایمان کے دلوں کو یزید کی محبت
والفتنہ۔ اس کے مددگاروں اور معاونین کی موانعت اور ان تمام لوگوں کی دوستی جو اہل بیت نبوی
کے بدخواہ رہے ہیں۔ اور ان کے حقوق کو پامال کرتے آئے ہیں۔ اور ان سے محبت و صدق عقیدت
سے محروم رہے ہیں۔ سے محفوظا مومن رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے احباب کو اہل بیت اور
ان کے نیک خواہوں کے زمرے میں رکھے۔ اور دنیا و آخرت میں اہل بیت کے مشرب و مسلک
پر رکھے۔ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ وَآلِهِ إِلَّا فَجَادَ وَيَمْنَهُ وَكَرَمِهِ وَهُوَ قَرِيبٌ حَيْبٌ

— مجتہد کا مقام —

سچا مذہب یہ ہے۔ کہ مجتہد بعض اوقات غلطی کا ارتکاب کر سکتا ہے۔ مگر اجتہادی غلطی میں وہ معذور سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس غلطی کے ارتکاب میں بھی اسے اجر و ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی انتہائی کوشش اور دیانت دارانہ رائے سے کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایسی اجتہادی کوششوں کا ثواب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے۔

إِنْ خَطَأَتْ فَلَكَ حَسَنَةٌ وَ
 إِنْ أَصَبْتَ فَلَكَ حَسَنَتَانِ
 اگر تم اجتہاد میں بھول گئے تو تمہیں ایک نیکی
 ملے گی۔ اگر کامیاب رہے تو تم دونیکیوں کے حق
 دار ہو گے۔

بعض علماء کرام کی رائے میں ہر مجتہد کامیاب ہوتا ہے۔ اور اس کی سچائی کی یہی ایک علامت ہے۔ کہ وہ اجتہاد میں کوشاں ہوتا ہے۔ اس کی رائے میں اختلاف محض فقہی مسائل۔ فروعی معاملات میں ہوتا ہے۔ اور ان حالات میں ظن اولیٰ ہی سچائی کی دلیل ہے۔ یعنی فیصلہ ضروری نہیں ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اعتقادات کلامیہ مسائل برحق ہوتے۔ کیونکہ یہ واقعہ اور نفس الامر کی خبر ہے۔ اور واقع اور نفس الامر ایک چیز نہیں ہو سکتے۔ اجتہاد کی شرطیں ان کے احکام غیر مجتہد کی تقلید اور اس قسم کے دوسرے مسائل اپنے مقام پر آئیں گے۔

— اہل قبلہ کی تکفیر —

اہل قبلہ کو یعنی وہ لوگ جو نماز قبلہ رو ہو کر ادا کرتے ہوں۔ اور کتاب و سنت پر ایمان رکھتے ہوں۔ اور خدا اور اس کے رسول کی وحدانیت و رسالت کی شہادت کا اقرار کرتے ہوں۔ کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اگرچہ ان کے بعض کلمات سے کفر بھی لازم آئے۔ لیکن ایسے کفریہ کلمات پر تو اثر سے اقرار کرنے والے کو ضرور کافر کہنا پڑے گا۔ جہاں تک ہو سکے۔ مسلمانوں کے ایسے کلمات کی توجیہ و توضیح ہمیشہ اچھے الفاظ میں کرنا چاہیے۔ اور تکفیر و تغلیظ کو وظیفہ نہیں بنانا چاہیے۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ کہ جو شخص دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ اگر وہ نفس الامر میں کافر نہ ہوگا۔ تو کافر کہنے والا یقینی طور پر کافر ہو جائے گا۔ اور لعنت کا حکم بھی یہی ہے۔ اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں تو بولنے والا ضرور لعنتی ہوگا۔ چنانچہ تکفیر اور لعنت ملامت جہاں تک ہو سکے احتیاط کرنا

ضروری ہے۔

رسول ملائکہ سے افضل ہیں :-

خواص بشر (انبیاء و رسل) خواص ملائکہ سے افضل ہیں۔ کیونکہ فرشتے تو انبیاء علیہم السلام کے پیغام رسان اور خدمت گزار ہوتے ہیں۔ اور عوام بشر (غیر انبیاء یعنی اولیاء اللہ اور اقیاء) عام فرشتوں سے افضل ہیں۔ خواص ملائکہ عوام بشر سے افضل ہیں۔ اس مسئلہ میں ساری امت کا اجماع ہے۔ اور کسی کو مجال اختلاف نہیں۔

انسان کی فضیلت فرشتوں پر اس دلیل سے سمجھی جاتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ سجدہ خدمت کی اعلیٰ ترین علامت ہے۔ اور ادا کرنے اپنے اعلیٰ کی علوشان کا اعتراف کرتا ہے۔ چونکہ حضرت آدم کی افضلیت اس واقعہ سے ثابت ہو جاتی ہے۔ تو خواص بشر کی افضلیت تو واضح ہے۔ یہ بات بڑی عجیب و غریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ ناممکن ہے۔ اس کی حکمتوں کو وہی جانتا ہے۔ اس اعلیٰ کو ادنیٰ کی خدمت پر مامور کر کے اپنا کمال قدرت ظاہر فرما دیا ہے۔

اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنی حکمتوں کے اظہار پر مجبور نہیں ہے۔ مگر یہ دلیل معتزلہ کے اس اعتقاد کے سامنے لائی جاتی ہے جو ملائکہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ ہماری دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ عبادات و ریاضات اور دیگر کمالات کا حصول بڑا محنت طلب کام ہے۔ اور ثواب و جزاء حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ و ریاضت نہایت ضروری چیز ہے۔ اگر کثرت ثواب کا نام فضیلت ہے تو یہ دلیل کافی ہے۔ لیکن فرشتے تو اس ریاضت اور کسب ثواب میں تو تبحر و جسمانی حواج۔ اور دوسری کدورتوں سے پہلے ہی بے نیاز ہیں۔ اس حساب سے فرشتوں کی افضلیت مانی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض محققین کی رائے یہ ہے۔ کہ افضلیت کی حیثیت مختلف ہے۔ یہ ایک لفظی بحث ہے۔ ریاضت، محنت اور شدت مجاہدت کی بنا پر اکتساب کمال کے معاملہ میں انسان یقیناً ملائکہ سے افضل ہیں۔ لیکن تجرد، پاکیزگی، قربت البیتہ اور نورانیت کے نقطہ نظر سے ملائکہ بہت بلند رتبہ رکھتے ہیں۔

انسان کی جامعیت پر نگاہ ڈالی جائے۔ اور اس کا صفات الہی کا منظر ہونا۔ اس کے اسماء

وصفات کا آئینہ دار بننا۔ پھر انعامِ خلافت کے پیش نظر انسان کی فضیلت ہی تسلیم کرنا پڑتی ہے۔ اس بحث کے باوجود بھی اعتقاد ہی طور پر ہم یہ بات بلاشک و ریب کہہ سکتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدِ رسل ہیں۔ بئید کائنات ہیں۔ افضل مخلوقات ہیں۔ خواہ وہ انسان ہوں جن ہوں یا ملائکہ ہوں۔

جس طرح کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ انبیاء کی فضیلت تو فرشتوں پر تمام اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے۔ لیکن معتزلہ اور بعض اشعری علماء ملائکہ کو بشر سے افضل قرار دیتے ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ پر اپنی رائے کو محفوظ رکھتے ہوئے توقف اور تردد سے کام لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ عمر کے ابتدائی دور میں تو ملائکہ کی افضلیت کے قائل تھے۔ مگر آخرین عمر میں آپ نے اس رائے سے رجوع فرمایا تھا۔ اور بشر کو ملائکہ سے افضل ماننے لگے تھے۔

قاضی ابوبکر باقلانی نے بھی اس مسئلہ میں توقف سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کو نہ جاننا یا اس کا اظہار کرنا یا نہ کرنا ایمان و کمال کے نقص کا موجب نہیں ہے۔

امام تاج الدین سبکی جو مشہور شافعی عالم دین ہوئے ہیں۔ نقل کرتے ہیں کہ اگر کسی کی ساری عمر تمام ہو جائے۔ اور اس کے دل میں فضیلت انبیاء کا خیال تک بھی نہ آئے۔ تو قیامت کے دن اس سے یہ سوال نہیں کیا جائے گا۔ کہ تم افضلیت انبیاء کے قائل تھے۔ یا افضلیت ملائکہ کے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہر مقام پر اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے۔ اور ہماری گفتگو کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے۔ کہ ہم حیثیت و مقام دیکھ کر فضیلت کا تعین کریں۔

— اولیاء کا مقام: —

اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں۔ مگر ولی اس شخص کو کہا جائے گا جو معرفتِ خداوندی کا واقف ہو۔ طاعاتِ خداوندی پر قائم رہے۔ عصیان و معصیت سے کنارہ کش رہے۔ اور لذاتِ شہوانیہ سے پرہیز کرتا رہے۔ اگر ایسے شخص سے کوئی خرق عادت ظاہر ہو۔ تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ اور یہ چیز جائز ہے۔ دراصل ولی کی کرامت اس نبی کے معجزات کا عکس ہوتا ہے جس کی امت میں وہ ولی ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی علیہ السلام کے کئی قسم کے معجزات ہیں۔ بعض معجزات تو

بعثت سے ہی پہلے ظاہر ہوئے تھے ایسے معجزات کو اہامات کہتے ہیں۔ بعض معجزات اعلان رسالت کے بعد تا دم حیات ظاہر ہوتے رہے۔ مگر بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو بعد از رحلت وقوع پذیر ہوئے۔ یہ معجزات آپ کے تابعین یا اولیاء اللہ سے سرزد ہوتے رہے۔ درحقیقت ان تمام کرامات کو بھی حضور علیہ السلام کے معجزات کے سلسلہ کی ایک کڑی کہا جائے گا۔ یہ معجزات نبی علیہ السلام کے صدق اور صحت دین بن گئے ہیں۔

کرامات کا وجود تو اکثر صحابہ اور اولیائے امت سے تو اتر کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر کسی قسم کا تردد۔ انکار یا اظہار شبہ کی ضرورت نہیں۔ خاص کر بعض اولیاء امت جیسے کہ حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی امام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہما سے اکثر کرامات ظاہر ہوئیں۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ کرامات اولیاء اللہ نبی کے معجزات کی جنس میں نہیں آتے جس طرح کہ شق القمر، سلام حجر، سجدہ شجر وغیرہ وغیرہ بعض کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ کہ ولی کی کرامت اس کے ارادہ و اختیار سے باہر ہوتی ہے۔ لیکن یہ بات ضروری ہے کہ ولایت و کرامت کا دعویٰ کرنا غیر ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی سے جو چیز بطور معجزہ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ ولی اللہ سے بطریق کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ اختیار یا عدم اختیار کی قید و تخصیص ضروری نہیں۔ بعض کرامات اختیاری اور بعض غیر اختیاری ہوتی ہیں۔ بعض کرامات ان اولیاء اللہ کے دعویٰ پر صادر ہوتی ہیں۔ جب کہ وہ ولایت اور صدق کے بلند ترین مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ کرامات ان کے دعویٰ کے عین مطابق ظاہر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں اولیاء اللہ کے دعویٰ ان کے انبیاء کے صدق و صحت نبوت کی دلیل ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر شیخ محی الدین عبدالقادر نے کثیر دعویٰ کیے ہیں۔ تو وہ حق تھے۔ اور ان کے حق میں سخانیت تھی۔ جو دعویٰ ان اولیاء اللہ کے لیے منع ہے۔ وہ دعویٰ نبوت ہے۔ یہ دعویٰ ایک ولی کو دشمن دین مستحق اہانت اور لعنت بنا دیتا ہے معاذ اللہ۔

ولایت کے لیے ضروری نہیں کہ اظہار کرامت بھی ہو۔ ولی اللہ بغیر کرامت کے بھی ولی اللہ ہو سکتا ہے۔ اصل کرامت تو یہ ہے کہ دین پر استقامت دکھائی جائے۔ الاستقامت فوق الکرامت لیکر کرامت کے اظہار حکمت یہ ہوتی ہے۔ سالک ابتدائے تربیت میں تکمیل یقین پالے تاکہ

سلوک کی جدوجہد میں نہایت تن دہی سے کام کرتا چلا جائے۔ اور آخرین عمر میں دوسرے لوگوں کی تربیت اور ان کے تردد و انکار کے شبہات کو دور کرنے کے لیے کرامت کا ہونا ضروری ہے۔

خوارق کی چار قسمیں ہیں۔ اگر نیک اعمال اور کامل ایمان کی حالت میں نہ ہوں تو انہیں استدراج اور مکر کہا جائے گا۔ لیکن اگر ایمان کامل۔ اعمال صالح اور معرفت و تقویٰ کے ساتھ رونما ہوں تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ اگر نبی سے اظہار کرامت ہو تو اسے معجزہ کہا جائے گا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایسی چیزیں تمام مومنین یا اہل صلاح سے بھی رونما ہو جاتی ہیں۔ اسے معونت کہا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ جادو۔ طلسمات اور شعبدہ بازی خوارق عادت کے ضمن میں نہیں آتیں۔ کیونکہ یہ چیزیں بچے تجربات عمل اور اسباب سے پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ اور ان حالات کو تو اتر سے بروئے کار لانے سے بعض حیران کن واقعات رونما ہو جاتے ہیں جس طرح ایک حکیم طبیب باڈاکٹر کے فنی تجربات سے برب مرگ مریض شفا سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ خرق عادت تو وہ چیز ہے جو خلاف عادت ہو۔

مقامات انبیاء و اولیاء

کوئی ولی نبی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو گناہ سے معصوم ہوتے ہیں انہیں نبوت سے معزولی اور برطرفی کا خوف نہیں ہوتا۔ اور انہیں برے خاتمے کا بھی غم نہیں ہوتا۔ انہیں وحی آتی ہے۔ اور خدا کے احکام و ہدایت لوگوں تک پہنچانے میں مامور ہوتے ہیں۔ اولیاء کے تمام کمالات انبیاء سے کم ہوتے ہیں۔ اہل تقویٰ کی ولی پر افضلیت تو قطعی اور یقینی ہے۔ اس کے برعکس اعتقاد رکھنے والا کافر ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ ولایت کو نبوت سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کے اس دعوے کی تردید یہ ہے کہ ولی سے زیادہ فضیلت والا نہیں ہو سکتا۔ ولایت تو قرب الہی کا ایک درجہ ہے۔ اور اللہ کی طرف سے فائدہ ملتا ہے۔ مگر نبی پر انعام الہی کی خصوصیت ہوتی ہے جس سے وہ مامور بالامر ہوتا ہے۔

نبوت کے لیے خلق اللہ کو فائدہ پہنچانا۔ قرب مع اللہ کی نسبت قائم ہونا بڑا ضروری ہے۔ نبی میں یہ دونوں صفات پائی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ ولی سے فاضل ہوتا ہے۔ ان حالات کے باوجود بھی جو شخص یہ فیصلہ کرتا ہے۔ کہ ولی نبی سے افضل ہے۔ تو ہم اس کی بات کو رد کریں گے۔ اور اس شخص

کو مردود خیال کریں گے۔

— مقام عبودیت: —

انسان کبھی بھی اس کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ کہ اس سے شریعت کی حدود ختم کر دی جائیں۔ بعض ملحد اور بے دین یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ایک مقام پر پہنچ کر انسان شریعت کے تکلفات سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ ان کا مفروضہ یہ ہے۔ کہ جب انسان امتحانے محبت کو پہنچ جائے تو اسے دل کی صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ایمان واضح ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اس سے شرعی احکام ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اسے گناہ کبیرہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ کلام محض گمراہی اور کفر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بے خبری کی علامت ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی محبت کی تکمیل تو دل کو صاف کر دیتی ہے۔ اور ایمان پختہ ہو جاتا ہے۔ اور طاعت و عبادت میں مصروف رہنے لگتا ہے۔ اور کامل ہو جاتا ہے۔ نہ کہ یہ صفتیں اسے مزید ناقص بنا دیں۔ اور تمام امور ساقط ہو جائیں۔ گناہ پر گرفت کرنا یا معاف کر دینا۔ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ مختار ہے۔ جسے چاہے گرفت کرے۔ جسے چاہے معاف کر دے۔ لیکن شرعی تکلیف کا ساقط ہونا کسی صورت میں درست نہیں۔

انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر محبت و ایمان کے تقاضوں کو کون پورا کر سکتا ہے۔ انہیں تو شرع کی پابندی اور تکلیف لازمی ہے۔ بعض لوگ اس بات کے جواب میں بھی کہا کرتے ہیں۔ کہ انبیاء کرام کے افعال چونکہ احکام الہی کے جاری کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ بیہ وجہ وہ ترک افعال و اعمال نہیں کرتے۔

ایسے لوگ شرع جاری کرنے کے معنی بھی نہیں جانتے۔ اور اتنا خیال نہیں کرتے کہ شرع تو اس لیے ہے کہ لوگ اس پر عمل کریں۔ اور پیغمبروں کے اقوال کی پیروی کریں۔ لوگوں کو عمل کرنا چاہیے۔ تاکہ شرع جاری کرنے کی مصلحت باطل نہ ہو جائے۔ اور تکالیف شرع کسی طرح ساقط نہ ہو جائیں۔

— آیات و احادیث کی حجیت: —

آیات و احادیث کا مطلب ظاہری صورت میں برآمد کرنا چاہیے۔ اور بلاوجہ ان کی تاویل نہیں کرنا چاہیے۔ آیات و احادیث کی تحقیق و تاویل کے شرائط اور ان کے جائز و ناجائز ہونے کے وجوہات تفصیل مطالعہ کے لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب التفرقة بین الکفر والنزہدۃ کا مطالعہ کرنا بڑا ضروری

ہے۔

آیات و احادیث کے ظاہری معنوں سے ہٹ کر تاویلی معنوں کی طرف جانا الحاذ ہے۔ فرقہ باطنیہ اور ملاحدہ کہتے ہیں۔ کہ قرآن و حدیث کے ظاہر معنی امر مذہبی نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے رموز اور اشارے حاصل کرنے ضروری ہیں۔ ان رموز اور اشارات کو معلم کے بغیر کوئی بھی نہیں پاسکتا۔ اور پھر یہ لوگ امام کو معصوم معلم جانتے ہیں۔ اور حق کی معرفت اس کی تعلیم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ خیال الحاد و زندہ کے ہیں۔

اگر ظاہری معنی مراد نہ لیے جائیں۔ تو نماز و روزہ طاعات و عبادات اور شریعت کے دوسرے احکام کہاں سے آئے ہیں۔ اور کس طرح ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور اگر ان احکامات شریعت کو محض رمز و اشارہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تو پھر کتابوں کا نازل کرنا۔ شریعتوں کا نفاذ کرنا۔ فضول ہو کر رہ جائے گا۔ اور ان کے معلم تو پھر پیغمبروں اور صحابہ سے بھی افضل قرار دیئے جائیں گے۔ کیونکہ یہ سب نفوس کے ظاہری معنی لیتے ہیں۔ اور ان کے ظاہری معنوں پر ہی عمل کرتے رہے ہیں۔ اور انہی ظاہری معنوں پر حکم لگایا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملحدین دین کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔ جن محققین کو رموز و اشارات کا علم ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں۔ کہ باوجودیکہ کہ قرآن کی آیات میں رموز و اشارات پائے جاتے ہیں۔ مگر احکامات کا نفاذ محض ظاہری معنوں پر ہی ہو گا۔ اور ان لوگوں نے ظاہری معنوں سے کبھی پہلو تھی نہیں کیا۔ اس مسئلہ پر اس مثال سے ذہن نشین کریں۔ کہ فرعون و موسیٰ ظاہر میں موجود تھے۔ ان کے تمام واقعات ظاہری زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فرعون اور موسیٰ تو محض روح اور نفس کے نام ہیں۔ اور روح اور نفس کی کشمکش کی طرف سارے اشارے ہیں۔ موسیٰ اور فرعون کوئی شخصیت نہیں تھے۔ فَاخْلَعْنَاكَ مِنْ اَرْضِكَ سے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جو تے آنا لیں۔ اور وادی مقدس میں ننگے پاؤں آئیں۔ ان ظاہری معنوں کی خوبی کے باوجود عاشقان طریقت اس سے یہ مراد بھی لیتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی قربت و محبت کی وادی میں دو جہان کے علائق سے دست بردار ہونا محبت کی علامت ہے۔ مگر ایسا کبھی نہیں کہا گیا۔ کہ نہ وادی قدس ہے۔ نہ موسیٰ نہ نعلین۔ اس سے زیادہ یا وہ کوئی اور بیہودہ خیال اور کیا ہو سکتا ہے۔

زندوں کی دُعا سے مُردوں کا فائدہ :-

یہ ایک مسلمہ امر ہے۔ کہ زندوں کی دعاؤں اور صدقہ سے مردوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر احادیث اور آثار پائے جاتے ہیں۔ نماز جنازہ اسی قسم کی ایک دعا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ جس مسلمان کی نماز جنازہ نو مسلمان ادا کریں۔ اس کی بخشش کے لیے دعا کریں۔ وہ بخشا جاتا ہے۔ سعد بن عبادہ کی والدہ فوت ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ کہ اس ضمن میں کون سا صدقہ اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پیاسوں کو پانی پلایا جائے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوایا۔ اور کہا ہَذَا اَلْأَمُّ سَعْدٍ یٰہ کنواں اُم سعد کے لیے ہے۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے۔

الدُّعَاءُ تَرُدُّ الْبَلَاءَ وَالصَّدَقَةُ
وَعَابِلًا كَوَدَّ كَرْتِي هِيَ۔ اور صدقہ اللہ تعالیٰ

تَطْفِي غَضَبَ الرَّبِّ
کی آگ کو بجھاتا ہے۔ زندہ و مردہ دین و دنیا میں

آرام پاتے ہیں۔

۱۔ خاتم المحدثین شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارة القبور میں فرماتے ہیں "بمستحب است کہ تصدق کروہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تا بوقت روز تصدق از میت نفع میکند اور اے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است وراں احادیث صحیحہ خصوصاً آب و بعضی از علماء گفتہ اند کہ نمیرسد میت را مگر صدقہ و دعا و در بعض روایات آمدہ است کہ روح میت می آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر میکند کہ تصدق میکند ازو سے یا نہ واللہ تعالیٰ اعلم۔ شیخ الاسلام کشف العطاء عمالزم لہوتی علی الاحیاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں۔ در غرائب و خزائن نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آئند خانہائے خود را ہر شب جمعہ و روز عید و روز عاشورہ و شب براءۃ پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود و نہا میکند ہر کیے باواز بلند اندوہ گین اے اہل و اولاد من و نزدیکان من ہر بانی کنید براء بصدقہ"۔ اسی میں ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ در شرح الصدور احادیث نشتے در اکثر ازیں اوقات آورده اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست۔ اکثرے کا لفظ صریح و لالت کر رہا ہے۔ کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں۔ تو صاحب ماہ مسائل کا مطلقاً ان کی طرف

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی عالم دین یا طالب علم کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو اس

ضعف کی نسبت کرنا کہ: "ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند." کذب و افتراء ہے یا

جہل و اجترہ اور استناد کاروایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب

ستہ پر قصر جیسا کہ صاحب مائتہ مسائل سے یہاں واقع ہوا جہل شدید و سفہ بعید ہے۔ حدیث

حسن بھی بالاجماع حجت ہے۔ غیر عقائد و احکام حلال و حرام میں حدیث ضعیف بھی بالاجماع

حجت ہے۔ ہمارے ائمہ کرام حنفیہ و جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد

بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث موقوفہ غیر مرفوعہ

قول صحابی بھی حجت ہے۔ کہ یہ سب مسائل ادنیٰ طلبہ علم پر بھی روشن ہیں۔ اور حدیث صحیح

کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہوتا بھی علم حدیث کے اجداد و انوار پر ہیں اور مہربن ہے و لکن

الوہابیتہ قوم پھیلوں طرفہ یہ کہ خود صاحب مائتہ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگان

خاندان دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف

کثیرہ میں تو وہ وہ روایات غیر صحاح و روایات طبقہ اربع اور ان سے بھی نازل تر سے

استناد کیا ہے۔ جیسا کہ ان کتب کے ادنیٰ مطالعہ سے واضح و مبین ہے و لکن النجدیہ

بجھدون الحق و ہم یعلمون امام اجل عبداللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور

طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک ابوالنعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پر نور سید عالم صلی اللہ

علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی و ہذا لفظ ابن المبارک:

قال ان الدنيا جنة الكافرو سبعن المؤمن وانما مثل المؤمن حين

تخرج نفسه كمثل رجل كان في السجن فاخرج منه فجعل يتقلب في الارض فيقسم فيها

بے شک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے جب مسلمان کی جان نکلتی

ہے۔ تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص زندان میں تھا۔ اب آزاد کر دیا گیا۔ تو

زمین میں گشت کرنے اور با فراغت چلنے پھرنے لگا۔ ابوبکر کی روایت یوں ہے۔

فاذا مات المؤمن يتجلى سر به يسرح حيث شاء۔

گاؤں کے قبرستان سے چالیس دن تک عذاب اٹھایا جاتا ہے۔ اس حدیث سے علم دین کے پڑھنے

جب مسلمان مرتا ہے۔ اس کی راہ کھول دی جاتی ہے۔ کہ جہاں چاہے جائے۔ ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو۔ تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا۔ کہا: کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں کہا: نعم اما المؤمنون فان ارواحهم فی الجنة وھی تذهب حیث شاءت۔ بے شک مسلمانوں کی روہیں توجنت میں ہوتی ہیں۔ انہیں اختیار ہوتا ہے۔ جہاں چاہیں جائیں۔ ابن مبارک کتاب الزہد و البوکبر ابن ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی۔ قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذهب حیث شاءت و نفس الکافر فی سجنین۔

بے شک مسلمانوں کی روہیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ اور کافر کی روح سجنین میں مقید ہے۔ ابن ابی الدنیا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے راوی قال بلغنی ان ارواح المؤمنین مرسلۃ تذهب حیث شاءت۔ مجھے حدیث پہنچی ہے۔ کہ مسلمانوں کہ مسلمانوں کی روہیں آزاد ہیں جہاں چاہیں جاتی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں: راجح ابن عبد البر ان ارواح اللہ ہداء فی الجنة و ارواح غیرہم علی اُفنیۃ القبور فنسرح حیث شئت امام ابو عمر ابن عبد البر نے فرمایا راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روہیں جنت میں ہیں۔ اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔ علامہ منادی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں۔ ان الروح اذا انخلعت من هذا الہیکل و انفکت من القبور بالہوت تجول الی حیث شاءت۔

بے شک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے۔ جو لاں کرتی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (بھی تذکرہ الموتی میں لکھتے ہیں: ارواح ایشان (یعنی اولیاء کرام قدس اسرارہم) از زمین و آسمان و ہشت

پڑھانے کی فنسلیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مزاروں پر حافظان قرآن اور

ہر جا کہ خواہند میروند خزانہ الروایات میں ہے۔

عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تخلص لیلۃ الجمعة وتنتشر و
تجاء و الی مقابرهم ثم جاء وافی بیوتهم۔

بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روہیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور چلتی ہیں۔ پہلے اپنی
قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔ دستور القضاء مستند صاحب مائتہ مسائل میں فتاویٰ
امام نسفی سے ہے۔

ان ارواح المؤمنین یا تون فی کل لیلۃ الجمعة ویوم الجمعة فیقومون بفناء بیوتهم
ثم ینادی کل واحد منهم بصوت حزین یا اہلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا
علینا بالصدقة واذکرونا ولا تنسوننا وارحمونا فی غیر بتنا الخ

بے شک مسلمانوں کی روہیں ہر روز و شب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس
کھڑے ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں۔ کہ اے میرے گھر والو، اے میرے بچو،
اے میرے عزیزو، ہم پر صدقہ سے مہر کرو۔ ہمیں یاد کرو۔ بھول نہ جاؤ۔ ہماری غسری
میں ہم پر ترس کھاؤ۔ نیز خزانہ الروایات مستند صاحب مائتہ مسائل میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشوراء

لیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتهم
فیقولون هل من احد ینذکونا هل من احد یترحم علینا هل من احد ینذکر غیر بتنا الخ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورے کا دن یا

شب برات ہوتی ہے۔ اموات کی روہیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی

اور کہتی ہیں۔ ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے۔ ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے۔ ہے کوئی کہ

ہماری غربت کی یاد دلائے۔ اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضۃ امام زہد و لیس سے

منقول یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے حلال و حرام کا ایسی جگہ دو۔ ایک سندیں بھی بس

ہوتی ہیں۔ نہ کہ اس قدر کثیر و دافر۔ امام جلال الملک والذین سیوطی مناہل الصفا فی تخریج الحدیث

مدرسین کو مقرر کرنا بڑا ثواب ہے۔

الشفاء زیر رثائے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔
 لم اجدها فی شیء من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاکم فی مدخلہ
 ذکواہ فی ضمن حدیث طویل وکفی بذلك سند المثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام
 یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی۔ مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاکم
 نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کو اتنی ہی سند
 کافی ہے۔ کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔ باقی رہا ضلال حال کے شیخ الضلال گنگوہی کا
 براہین قاطعہ میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقاید کا ہے۔ اس میں مشہور و متواتر
 صحاح کی حاجت ہے۔ قطعیات کا اعتبار ہے۔ نہ ظنیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح
 مسلم کی بھی صحیح و صریح حدیثوں میں ہو کہ روحمیں آتی ہیں۔ تو وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم میں
 مردود ہوں گی۔ کہ ان روایات میں عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کر لے۔ تو فقط عمل
 ہے۔ نہ فضل عمل۔ براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں چار ورق سے زائد پر ہی اعجوبہ
 اصحو کہ طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندوہ کیا ہے۔ سخت جرات ہے۔ اقول۔
 اگر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو۔ اگرچہ اسے نفیاً و اثباتاً کسی طرح
 عقائد میں دخل نہ ہونا۔ فی یا مثبت کسی پر اس نفی و اثبات کے سبب حکم ضلالت و گمراہی متحمل
 نہ ہو۔ سبب باب عقائد میں داخل ٹھہرے جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی جیت تک
 متواتر نہ ہوں۔ نا مقبول ٹھہرس تو اولاً سیر و معازمی و مناقب یہ علوم کے علوم سب کاؤ
 خورد و دریا برو ہو جائیں۔ حالانکہ علما تصریح فرماتے ہیں۔ کہ ان علوم میں صحاح و کناہضعا
 بھی مقبول سیرت انسان العیون میں ہے۔

لا یخفی ان السیرت جمیع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع
 والمعطل دون الموضوع وقد قال الامام احمد وغیرہ من الائمة اذ روينا فی
 الحلال والحرام شدنا واذ روينا فی الفضائل ونحوها تساهلنا۔

اس بحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الایما میں ملاحظہ ہو۔

قبولیت و عاء :۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ اور حاجات

یہی دیکھئے۔ رٹائے مذکور امیر المؤمنین کیا فضائل اعمال سے تھا۔ وہ بھی باب علم سے ہے۔ جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علما کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔ ثانیاً علم رجال مردہ ہو جائے۔ کہ وہ بھی علم ہے نہ عمل و فضل۔ عمل اور غیر قطعیات سب باطل و مہمل ثنائاً و تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردود قرار پائیں۔ رابعاً عقائد و اعمال میں تفرق جس پر اجماع آئمہ ہے۔ ضائع چائے۔ کہ احکام حلال و حرام میں کیا اعتقاد و حلت و حرمت نہیں لگا ہوا ہے۔ اور وہ عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے۔ تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود اور جب حلال اور حرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں۔ اس سے کیوں بچیں۔ خامساً بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے۔ اس پر یہ ثواب جانا خود عمل نہیں۔ بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے۔ اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔ سادساً اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی۔ کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی۔ انہوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں۔ جب تک قطعیات نہ ہوں۔ کچھ نہ سنیں گے۔

سہ قدم عشق بیشتر بہتر

سابغاً ختم الہی کا ثمرہ دیکھئے۔ اسی براہ میں فاطمہ لما أمر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادات میں داخل کر لیا۔ تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دل ہیں۔ مردود ٹھہریں۔ اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو محض ایک بے اصل و بے سند حکایت سے سند لایا۔ کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں۔ کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہ نے اسے ہرگز روایت نہ کیا۔ بلکہ اعتراض کر کے صاف فرما دیا تھا۔ کہ اس سخن اصلے ندارد و روایت بدان صحیح نشدہ است۔ عرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

کو بر لاتا ہے۔ اگر خلوص نیت اور حضور دل سے دعا کی جائے۔ اور عاجزی و تفرع سے بارگاہ رب

فضائل ماننے کو توجہ تک حدیث قطعی نہ ہو۔ بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ حضور
کی تنقیص فضائل کے لیے بے اصل و بے سند و بے سرو پا حکایت مقبول و محمود اور
پھر دعویٰ ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود۔ **إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ**۔
كَذٰلِكَ يُصِۡبُہٗ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبٍ كُلٍّ مُّتَكَبِّرٍ بَصِيۡرًا۔

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکام حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہیے
اس کے لیے اتنی سندیں کافی و دافی ہونگی۔ اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر حزم و یقین
نہیں تو ٹھیک ہے۔ اور عام مسائل سیر و معازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس
کے باعث وہ مردود نہیں قرار پا سکتے۔ اور اگر دعوائے نفی کرے یعنی کہ مجھے معلوم و ثابت
ہے کہ روحمیں نہیں آئیں۔ تو جھوٹا کذاب ہے۔ بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو
غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ کہ ثبوت عدم اور بے دلیل عدم ادعا ہے عدم محض حکم و حکم آنے
کے بارے میں تو اتنی کتب علماء کی عبارات اتنی روایات ہیں بھی نفی و انکار کے لیے کون سی
روایت ہے۔ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل و غلط ہے۔ تو ادعا ہے بے دلیل محض
باطل و ذلیل کیسی بٹ دھرمی ہے۔ کہ طرف مقابل پر روایات موجودہ صرف برائے ضعف
مردود اور اپنی طرف روایت کا نام نہ نشان اور ادعا ہے نفی کا بلند نشان۔ روحوں کا آنا۔ اگر باب
عقائد سے ہے تو نفی و اثبات اس باب سے ہوگا۔ اور دعویٰ نفی کے لیے بھی دلیل قطعی و کار
ہوگی۔ یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود اور دوسری طرف
سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود۔ **وَلٰكِنّ الْوٰہَابِیۡہٗ لَا یَعْقِلُوۡنَ**۔
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیۡمِ۔ وَصَلٰی اللّٰہِ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِ مُحَمَّدٍ
اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیۡنَ اٰمِیۡنَ۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ جَلِیۡدٌ مَّجْدٌ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ نَقَطٌ

کتب

عبدالمذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ مجتہد النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ماخوذ از ایقان الارواح لیبیاریہ بعد الرواح

العزت میں سرسجود ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اسے کبھی رو نہیں کرتی۔ اور دنیا و آخرت میں اسے قبول فرمائی جاتی ہے۔

— قبولیت دعا کی شرائط —

دعا کے قبول ہونے کی بھی کئی شرائط ہیں۔ اور پھر قبولیت دعا کے مواقع ہیں۔ سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ حضور قلب اور قوت حلال میسر ہو۔ دعا کے قبولیت میں سب سے رکاوٹ اس بات سے ہوتی ہے کہ دعا کرنے والا کتا ہے۔ کہ میں نے بارہا دعا کی۔ مگر قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ قبولیت دعا کی شرطیں نہ ہوں۔ اور ان کے موانعات موجود ہوں تو دعا کیسے قبول ہو۔ لیکن پھر بھی خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

المختصر دعا ایک عبادت ہے۔ الدُّعَاءُ هُمُ الْعِبَادَةُ۔ دعا عبادت کا مغز ہے جس طرح مختلف عبادتیں اپنے اپنے وقت اور سبب کے لیے ضروری ہیں۔ ایسے ہی دعا کی قبولیت کے مواقع اور اسباب ہوتے ہیں۔ بلا مصیبت کے وقت دعا کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں۔

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ تم دعا مانگو۔ میں اسے قبول کروں گا۔

اسے اخی دست کردن بدار

با اجابت یا روایت چہ کلمہ

بس دعا ہا زین ست و وبال

از کرم می نشنودشان زوال جلال

ایک کسان کسی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر عربی گھوڑا مانگے۔ اور بادشاہ اس کے بدلے اسے ایک بیلیوں کی جوڑی دیدے۔ تو ظاہر میں بادشاہ نے اس کی دعا قبول نہیں کی۔ اور جیسا گھوڑا وہ چاہتا تھا۔ اسے نہیں دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے جو چیز اسے دی گئی ہے۔ وہ گھوڑے سے کئی بار بہتر ہے۔ بیلیوں سے اس کی کھیتی میں جو فائدہ ہوگا۔ وہ گھوڑے سے نہیں ہو سکتا۔ بلکہ گھوڑا تو اس کے معیار زندگی میں اور وبال جان بن جائے گا۔

اسی طرح ہم دنیا کی فضول اور بے کار چیزوں کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اس دعا کا قبول نہ ہونا۔ ہمارے لیے مفید ہے۔ نفس کی لذتوں میں پڑ کر رضائے الہی سے محروم رہتے ہیں۔ اور آخرت کے عذاب میں پھنس جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر نور بصیرت دے۔ تو حسن ظن سے طلب صادق کرنا چاہیے۔ بعض چیزوں سے محرومی بھی اللہ تعالیٰ کے احسانات کا دوسرا نام ہے۔

کافر کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ہاں گمراہ کی دعاؤں کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ وہ دنیا کے کاموں کے لیے دعا کرے تو قبول ہوتی ہے۔ البتہ مظلوم خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔
_____ فاسق کی قیادت ہے۔

ہرنیک و بد کے پیچھے نماز ادا ہو جاتی ہے۔ نماز جماعت ترک کرنا درست نہیں۔ اور اس چیز کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ کہ امام پرہیزگار اور متقی ملے تو نماز باجماعت ادا کریں گے۔ جماعت سنت موکدہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے نماز باجماعت کی سختی سے تاکید فرمائی ہے۔ ہاں اگر مرد صالح و متقی میسر ہو سکے۔ تو امامت کے فرائض وہی ادا کرے۔ ورنہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز روا ہے جتنی کہ فاسق و فاجر کے پیچھے بھی نماز جائز ہے۔ بشرطیکہ اس کا فسق کفر تک نہ پہنچ جائے۔ لیکن اتنا ضروری ہے کہ امام نماز کے ارکان احکام اور قرآن کے اتنی آیات سے واقف ہو۔ جس سے نماز ہو سکے۔
_____ موزوں پر مسح ہے۔

علماء اہل سنت و جماعت کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور یہ سنی ہونے کی علامت ہے۔ بحالت قیام ایک دن اور ایک رات تک مسح کر لے۔ اور بحالت سفر تین دن اور تین رات مسح کرتا رہے۔

_____ سنیوں کی تین علامتیں :-

تفضیل الشیخین۔ مجتہد المحدثین اور مسح علی الخفین۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سب صحابہ سے بہتر جانتا۔ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت رکھنا۔ اور موزوں پر مسح کرنا۔ شیعہ حضرات ان تینوں علامات سے خالی ہیں۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا۔ جو موزوں کے مسح کو جائز خیال کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کرنے کو دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ مسافر کو تین رات دن اور مقیم کو ایک دن رات درست ہے۔ آپ نے زور دے کر کہا۔ کہ میں نے نبی علیہ السلام سے ایسا ہی سنا ہے۔ ایک دوسری جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر شریعت میں عقل کے قیاس پر حکم ہوتا۔ تو موزوں کے تلے پر مسح کرنے کا حکم دیتا۔ لیکن شریعت کے حکم کے سامنے موزوں کے اوپر مسح کرنا ہی تسلیم کیا گیا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ کہ مسیح کی نسبت پاؤں کو دھونا زیادہ افضل ہے۔ مگر مسیح کے جواز کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ جو تہمت کے مقام پر رخصت کو اختیار کریں۔ وہ مصلحت سے زیادہ قریب ہیں۔

— گناہ پر فخر:—

گناہ کو حلال جاننا۔ ہلکا سمجھنا بھی کفر کے قریب ہے۔ گناہ اگرچہ شہوت کے غلبہ۔ کہ بشیریت کے تقاضا سے ہو۔ گناہ کو گناہ ہی تصور کرنا چاہیے۔ اور اپنے گناہ کا اقرار کرنا چاہیے۔ چھوٹے گناہ کا ہلکا جاننا۔ یا اسے بے حقیقت خیال کرنا اتنا ہی کافی ہے۔ کہ اسے عذاب کا ذریعہ نہ بنائیے۔ ورنہ صغیرہ گناہ متواتر کرنے سے کبیرہ گناہوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

— شریعت سے مسخر:—

احکام شرح کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ یہ مذاق و تمسخر دراصل شریعت کے جھٹلانے اور انکار کرنے کی علامت ہے۔

— مذاق اقرار کفر:—

کلمہ کفر مذاق و تمسخر سے کتنا بھی کفر ہے۔ اگرچہ اس کے معنی دل میں کچھ اور ہی لیے جائیں۔ اور ان پر اعتقاد بھی نہ ہو۔ مذاق سے دراصل استخفاف پیدا ہوتا ہے۔ جب گناہ کا استخفاف کفر ہے۔ تو کفر کا استخفاف تو بدرجہ اتم کفر ہے۔ خواہ یہ بات نہ جانتا ہو کہ یہ کفر ہے۔ مگر نہ جاننے سے جرم کی معافی نہیں ہو سکتی۔ بعض علماء نے ان لوگوں کی رعایت کی ہے۔ جو نادانستہ کلمہ کفر کہہ دیں۔ بھولے سے یا بے اختیار زبان سے کلمہ کفر نکل جائے تو اس پر کفر واقع نہیں ہوتا۔

— نشہ میں کلمات کفر:—

بدمستی اور نشہ کی حالت میں کلمہ کفر کے سرزد ہونے سے کافر نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ نشہ کی حالت میں عقل ماؤف ہوتی ہے۔ ہاں دوسرے تصرفات جیسے طلاق دینا۔ غلام آزاد کرنا۔ خرید و فروخت کرنا۔ یہ بعض اقرار سے کفر واقع ہو جاتا ہے۔ فرق اتنا ہے۔ کہ کفر ایک بہت بڑا کام ہے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ اس امر سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ اور زوال عقل اس کا علاج اور عذر تو ہو سکتا ہے۔ مگر اسلام تو ایک مرغوب و مطلوب چیز ہے۔ جس طرح ہو سکے۔ اس کا اثبات ضروری ہے۔

حضرت امام شافعی اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک نشہ کی حالت میں کلمہ کفر سے کفر واقع ہو جاتا ہے۔

— کاہن اور نجومی کی حیثیت :-

جو کاہن غیب جاننے کا دعویٰ کرے۔ اسے سچا ماننا بھی کفر ہے۔ حدیث پاک میں تصریح موجود ہے۔ کہ جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی بات کو سچا مانے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس دین سے اس کا کوئی واسطہ نہیں رہتا۔ جس دین کو حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا۔

عرب میں بہت سے کاہن علم غیب کا دعویٰ کرتے تھے۔ جن اور شیاطین انہیں خبریں دیتے تھے۔ نجومی بھی کاہن کی طرح ناقابل یقین شخصیت ہے۔ نجومی کی بات پر یقین کرنا۔ اسے سچا ماننا کفر ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، تو ستاروں کے اثرات۔ آسمان کی گردش۔ موسمی تغیرات۔ سردی گرمی کی کمی بیشی کے اثرات۔ فصلوں اور پھلوں کے پکنے اور دوسرے کاموں پر وارد ہوتے ہوتے ہیں۔ مگر ان چیزوں کی کمی اور بیشی پر سعادت اور نحوست کا قیاس کرنا غلط ہے۔ اگر بعض مقامات پر فصل کی زیادتی کسی کی سعادت کا ذریعہ بن بھی جائے۔ تو شریعت میں اس سعادت و ترقی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر پہلی شریعتوں میں درست تھا۔ تاہم شریعت محمدیہ نے ان شریعتوں کے احکام کو منسوخ کر دیا ہے۔

— امیدوار رحمت الہی :-

اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے۔ اور اللہ کی رحمت سے کافروں کے علاوہ کوئی بھی مایوس نہیں ہوتا۔ مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو۔ رحمت خداوندی سے مایوس نہیں ہوتا۔ یہ امید رکھنا ضروری ہے۔ کہ توبہ سے خدا کی رحمت خداوندی گناہوں کو معاف کر دیتی ہے۔ جہاں رحمت خداوندی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہاں اس کے خوف سے بے نیاز ہونا بھی کفر ہے۔ اللہ کے خوف سے محض کافر ہی بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ جن لوگوں پر عذاب الہی ہونا ہوتا ہے۔ ان پر ناز و نعمت دنیا کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ یاد خداوندی سے غافل ہو جائے۔ اور مغرور ہو جائے۔ پھر جب اس کی گرفت آتی ہے تو اسے خبر تک نہیں ہوتی۔

— ایمان و خوف کی اہمیت —

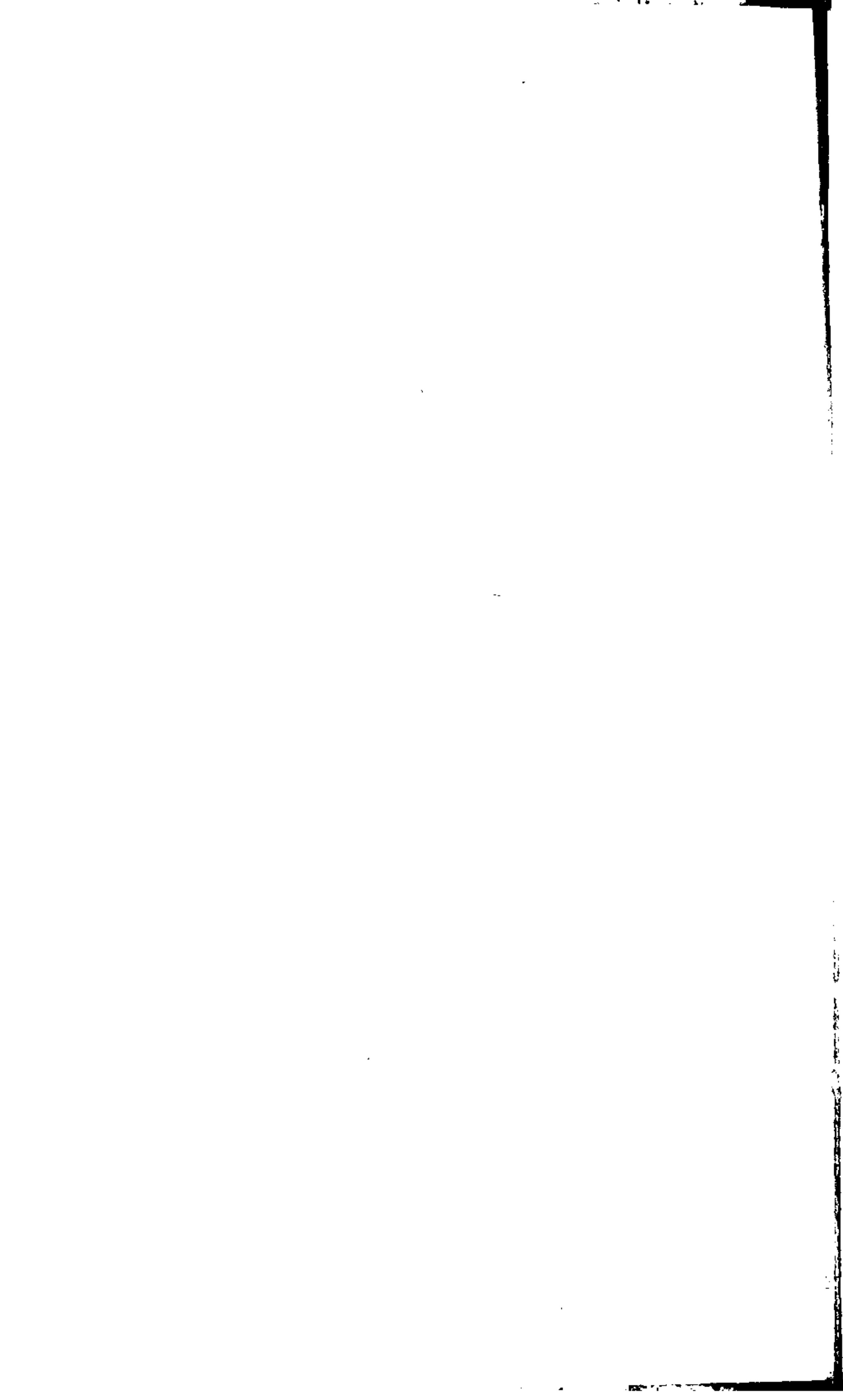
ایمان تو امید اور خوف کے درمیان ہے۔ امید کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اگر یہ سن لیا جائے کہ جنت میں محض ایک ہی آدمی داخل ہونا ہے تو یہ امید رکھے کہ میں ہی جنتی ہوں گا اور اگر یہ سنے کہ دوزخ میں ایک ہی شخص ہوگا تو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں گا۔

سے انہا کہ خواص درگتہ تکریم اند
دوستت زدگان عالم تسلیم اند

نومید مشوکہ رحمت حق عام است
مغفور مشوکہ خاصگان در بیم اند

بزرگان دین کا مقولہ ہے کہ زندگی میں خوف خداوندی کا غلبہ ہونا چاہیے۔ لیکن رحمت کے وقت رحمت خداوندی کا امید وار ہونا چاہیے۔ سعادت کی علامت یہی ہے۔ اور الایمان میں الخوف والرجا میں ہی اشارہ ہے۔ اعلما ان الله شدید العقاب والله غفور رحیم۔

الحمد لله یہ کتاب رحمت خداوندی اور امید مغفرت پر ختم ہوا۔



روزگارِ عالمِ اعلاست لازماً
مجدد مائتہ صغیرہ محض مونا
انکھ صفا حالِ جب اردو

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى
رَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ

سندھ نائل برائیم قرین رحمت و توفیق و توفیق و توفیق

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى
رَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ

ظفر عالی منت بہت کی تفسیر ہے کہ اردو زبان میں جس نسبت کو
یہ ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس کی مثال پر خیمہ یک ہند میں نہیں ملتی۔ جتنا
سے لکھا ہے کہ اس تفسیر کا مطالعہ ہر شخص مستفید و مسلمان کوشش فرمائے۔

لاؤ نقد رقم۔ ہر حصہ مہدی۔ تاج کتب خانہ۔ لاہور۔
۱۹۹ روپے ۵۰ پیسے - (۱۰۰ جہاں تک)

کتاب خانہ

مکتبہ نبویہ - جامع سٹی کوٹوالی - لاہور

علاوہ ازیں

اعلیٰ حضرت بریلویؒ کی جملہ تصانیف اور
قرآن پاک کے ترجمہ کے جملہ ایڈیشن
مطبوعہ تاج کمپنی لاہور ہم سے
طلب فرمائیں

طباعت سرورق رین پریس لمیٹڈ، لاہور